ماہنامہ نصرۃ العلوم مارچ ۲۰۲۲ء

[جلد ۲۷، شمارہ ۳]

::: فہرست :::

حالات و واقعات --- ○ ---

مولانا زاہد الراشدی
شیخ الحدیث جامعہ نصرۃ العلوم

شیخ الہندؒ کی تاریخی جدوجہد کی صدائے بازگشت

روزنامہ جنگ راولپنڈی میں ۲۲، فروری ۲۰۲۲ء کو شائع ہونے والی خبر ملاحظہ فرمائیں۔

''اسلام آباد (نمائندہ خصوصی) پیر کو پارلیمنٹ ہاؤس میں ایک نشست کے دوران ترک وفد نے پاکستان کے پہلے مفتی اعظم مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے رفقاء کی ان کاوشوں کا خصوصی تذکرہ کیا جو خلافت عثمانیہ کو سقوط سے بچانے کیلئے کی گئیں۔ نشست پارلیمنٹ ہاؤس کی جامع مسجد میں ہوئی جہاں ترکی کے وزیر مذہبی امور ڈاکٹر علی عرباش، دو وزرائے مملکت اور جامع مسجد آیا صوفیہ کے خطیب امام فرح مستعور، وزیر مملکت پارلیمانی امور علی محمد خان، پارلیمنٹ ہاؤس کے خطیب مولانا احمد الرحمٰن (فاضل جامعہ نصرۃ العلوم) اور وزارت مذہبی امور کے افسر مہمانداری کلیم ڈار موجود تھے۔ اس موقع پر پاکستان اور ترک مشترکہ مذہبی اور ثقافتی اقدار کے حوالے سے بھی گفتگو ہوئی، مولانا عبیداللہ سندھی، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا محمود حسن، مولانا حسین احمد، مدنی کا تذکرہ ہوا جنہیں خلافت عثمانیہ تحریک میں گرفتار کر کے مالٹا کی جیل میں بند کر دیا گیا تھا۔ ترک وفد نے پارلیمنٹ کی جامع مسجد کے بہتر انتظامات اور ماحول کو سراہا۔ ترک سفیر بھی اس موقع پر موجود تھے۔ ترک مہمانوں کو خطیب مولانا احمد الرحمٰن (فاضل جامعہ نصرۃ العلوم) نے تحائف پیش کیے۔''

یہ خبر ہمارے اکابر کی اس عظیم جدوجہد کی صدائے بازگشت ہے جو عالم اسلام پر استعماری قوتوں کی یلغار کے دوران خلافت اسلامیہ کے تحفظ اور متحدہ ہندوستان سمیت مسلم ممالک کی آزادی کے لیے دو صدیاں مسلسل جاری رہی ہے اور مسلم ممالک کی موجودہ آزادی جیسی کیسی بھی ہے اس جدوجہد اور اس میں دی جانے والی بے پناہ قربانیوں کا ثمرہ ہے، خلافت عثمانیہ کے تحفظ کے حوالہ سے اس جدوجہد کا ایک پہلو روزنامہ جنگ لندن میں اب سے ربع صدی قبل شائع ہونے والی درج ذیل خبر میں بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

''ریشمی رومال تحریک کا اصل نام برلن پلان تھا۔

پروفیسر اولف شمل

لاہور (پ ل) ریشمی رومال تحریک کا اصل نام ''برلن پلان'' تھا جو ۱۵، اگست کو کابل میں جرمنی اور ترکی کی مدد سے تیار کیا گیا۔ ہندوستان کی آزادی کے اس منصوبے کی تشکیل میں راجہ مہندر پرتاب، مولانا برکت اللہ اور مولانا عبید اللہ سندھی نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ یہ انکشاف جرمنی کی وزارت خارجہ کے ایک سابق ڈپٹی سیکرٹری اور برلن یونیورسٹی میں سیاسیات کے استاد پروفیسر اولف شمل نے ایک خصوصی ملاقات میں کیا۔ پروفیسر اولف شمل آج کل پاکستان کے دورے پر آئے ہوئے ہیں اور ''برلن پلان'' پر کتاب لکھ رہے ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ برلن پلان در اصل شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے ذہن کی اختراع تھی۔ اس منصوبے کے تحت جرمنی، ترکی اور افغانستان کے علاوہ روس، چین اور جاپان کی مدد سے ہندوستان کو آزاد کروانا تھا، تاہم مولانا محمود الحسن صرف جرمنی، ترکی اور افغانستان کے حکمرانوں کو راضی کر سکے، اس پلان کے لیے مالی امداد کراچی کے تاجر حاجی عبد اللہ ہارون نے فراہم کی تھی، جبکہ مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، حکیم اجمل خان اور نواب وقار الملک نے بھی برلن پلان کے تحت بہت سا کام کیا۔ پروفیسر اولف شمل کے مطابق ۱۵، اگست ۱۹۱۵ء کو کابل میں ہونے والے اجلاس میں جرمن وزارت خارجہ کے ایک افسر ڈاکٹر منیر بے، جرمن آرمی کے کیپٹن سینڈر میئر، لیفٹیننٹ وان ہینگ اور کیپٹن ویگز کے علاوہ ترکی کی خلافت عثمانیہ کا ایک نمائندہ شامل تھا۔ اس اجلاس میں طے پایا کہ جرمنی قبائلی علاقوں میں فوجی تربیت کے کیمپ لگائے گا۔ نیز افغانستان کے راستے سے ساٹھ ہزار جرمن فوجی اور مالی امداد بھی فراہم کی جائے گی۔ نتیجے میں سلطنت عثمانیہ نہ صرف جرمنی کی حمایت کرے گی، سلطان ترکی برطانیہ کے خلاف اعلان جہاد کر دے گا۔ ترکی اور افغانستان کو یہ ضمانت دی گئی کہ ان کے خلاف جارحیت کی صورت میں جرمنی اور ہندوستان ان کا تحفظ کریں گے۔ اس اجلاس کے بعد ہندوستان کی جلا وطن حکومت تشکیل دی گئی، جس کا صدر راجہ مہندر پرتاب، وزیر اعظم مولانا برکت اللہ، وزیر خارجہ مولانا عبید اللہ سندھی اور فیلڈ مارشل مولانا محمود الحسن کو بنایا گیا۔ ۲۶، مئی ۱۹۹۶ء کو عبید اللہ سندھی نے عبد الباری اور شجاع اللہ کو حتمی معاملات طے کرنے کے لیے جرمنی بھیجا لیکن روس میں ان دونوں کو گرفتار کر کے برطانیہ کے حوالے کر دیا گیا۔ اس دوران کابل کے نواحی علاقے باغ بابر میں جرمنی آرمی کے لیفٹیننٹ والکاٹ نے تربیتی کیمپ قائم کر لیا۔ ایک روز وہ مجاہد بھرتی کرنے قبائلی علاقے میں آیا اور گرفتار ہو گیا۔ انگریزوں نے اسے گولی مار کر ہلاک کر دیا۔ مولانا

عبیداللہ سندھی نے ریشمی رومالوں پر خفیہ پیغامات لکھ کر اپنے ساتھیوں کو ہندوستان بھیجے لیکن یہ رومال پکڑے گئے اور منصوبہ بے نقاب ہوگیا۔ سینکڑوں افراد گرفتار ہوئے۔ کابل کا حکمران امیر حبیب اللہ خوفزدہ ہوگیا اور یوں منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔ ۱۹۱۷ء میں روسی انقلاب کے بعد لینن نے مولانا عبیداللہ سندھی کو ماسکو بلا لیا اور ہندوستان کی آزادی کے لیے تعاون کی پیش کش کی۔ جرمنی نے بھی ایک دفعہ پھر رضامندی ظاہر کر دی لیکن کابل نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ پروفیسر اولف شمل کے مطابق حاکم جدہ نے مولانا محمود الحسن کو گرفتار کروا دیا تھا ورنہ یہ منصوبہ دوبارہ بھی شروع ہوسکتا تھا۔ ۱۹۳۳ء میں ہٹلر نے برسر اقتدار آ کر اپنی وزارت خارجہ کو حکم دیا کہ ہندوستانی علماء کے ساتھ دوبارہ رابطہ کیا جائے لیکن علامہ عنایت اللہ مشرقی کے علاوہ کسی سے رابطہ نہ ہوا۔ پروفیسر اولف شمل کا کہنا ہے کہ اگر کابل مدد کرتا تو نہ سلطنت عثمانیہ ختم ہوتی اور نہ ہی ہندوستانیوں کو مزید تیس سال غلام رہنا پڑتا کیونکہ جرمنی، ترکی اور روس نے ہندوستان کو گھیرا ڈال لینا تھا۔'' (روزنامہ جنگ، لندن۔ ۱۶، اگست ۱۹۹۴ء)

ملت اسلامیہ اور مسلم ممالک کے دینی حلقے آج اسی تحریک آزادی کے دوسرے مرحلہ میں استعماری نظام سے نجات اور اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ و ترویج کے لیے مصروف عمل ہیں، جس کے لیے ہماری ہمیشہ سے یہ گزارش رہی ہے کہ علماء کرام اور دینی کارکنوں کو اپنے بزرگوں کی ملی و دینی تحریکات سے پوری طرح آگاہ ہونا چاہئے اور دینی مراکز و جامعات کو اس آگاہی اور فکری وابستگی کا اہتمام کرنا چاہئے کیونکہ اسی صورت میں ہم اپنے اکابر کی جدوجہد کو منطقی نتائج کی طرف لے جانے کی شعوری اور مؤثر جدوجہد کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازیں، آمین یارب العالمین۔

خطبہ جمعۃ المبارک (غیر مطبوعہ) --- ○ --- مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
بانی جامعہ نصرۃ العلوم

خرچ کے مستحقین اور اس کی مقدار

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ o بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ، قُلْ فِيْهِمَا اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ، وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ، قُلِ الْعَفْوَ، كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ o (البقرۃ۔۲۱۹)

محترم حاضرین و برادران اسلام!

ربط خطبات

سورۃ البقرہ کی یہی آیت مبارکہ میں نے گزشتہ سے پیوستہ جمعہ کے موقع پر بھی آپ کے سامنے تلاوت کی تھی، اور بعض احکام اور مسائل کا ذکر کیا تھا، جن کا تعلق اہل اسلام کی زندگی کے ساتھ ہے، اسی آیت سے تعلق رکھنے والی کچھ مزید باتیں معلوم کرنا بھی ضروری ہیں جو آج آپ کی خدمت میں پیش کرنا مقصد ہے۔

سوالات کے خدائی جوابات

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کی طرف سے کردہ بعض سوال بھی ہیں جو اہل ایمان نے حضور علیہ السلام کے سامنے پیش کئے، جن کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آیات نازل فرمائیں اس قسم کے جوابات کبھی تو قرآن کی آیات کے نزول کی صورت میں ہوتے ہیں، اور کبھی ویسے ہی حضور علیہ السلام کو وحی کے ذریعے بات بتلا دی جاتی اور آپؐ لوگوں کو بات سمجھا دیتے، چنانچہ لوگوں کے بہت سے سوالات کے جواب قرآنی آیات سے نہیں بلکہ پیغمبر اسلام کی زبان سے ادا ہوئے۔ سوال کرنے والوں میں بعض اوقات یہودی اور دوسرے غیر مسلم بھی ہوتے تھے، ایک صحیح

حدیث کے مطابق ایک موقع پر ایک یہودی نے بعض سوالات کیے حضور علیہ السلام نے سوال سن کر تھوڑی دیر کیلئے توقف کیا اور پھر اس یہودی کو جواب دیا اس موقع پر صحابہ کرام بھی موجود تھے سوالات کے جوابات سن کر یہودی سائل نے تسلیم کیا کہ آپ نے بالکل صحیح جواب دیا ہے، کیونکہ ان سوالات کا جواب اللہ کا کوئی نبی یا دنیا کا کوئی اکادکا آدمی ہی دے سکتا ہے، عام آدمی یہ جواب نہیں دے سکتا اس یہودی نے اسلام قبول نہ کیا اور چلا گیا حضور علیہ السلام نے صحابہؓ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ جب اس شخص نے سوالات کیے تھے تو مجھے ان کے بارے میں معلوم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیج کر مجھے علم دیا تو میں نے یہودی کو جواب دیا، اس قسم کے سوال وجواب احادیث میں کثرت سے موجود ہیں۔

قیامت کے بارے میں سوال

جب قیامت کے بارے میں حضور علیہ السلام کے سامنے سوال ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب قرآن کی آیت نازل کرکے دیا، یسئلونك عن الساعة ایان مرسٰها۔ اے پیغمبر لوگ آپ سے قیامت کے بارے میں پوچھتے ہیں قل انما علمها عند ربی ۔ آپ کہہ دیں کہ قیامت کا علم تو میرے پروردگار ہی کو ہے، لا یجلیها لوقتها الا هو ۔(الاعراف۔۱۸۷) وہی اس کو اس کے وقت پر ظاہر کرے گا، البتہ اس کی آمد سے پہلے پیش آنے والے بہت سے واقعات اور علامات کے بارے میں بتلایا ہے، حدیث میں ایسی بہت سی باتوں کا ذکر ہے جن میں سے بعض گزر چکی ہیں، بعض فی الوقت پائی جاتی ہیں، اور بعض آئندہ پیش آنے والی ہیں، البتہ قیامت اپنے وقت پر اور اچانک ہی آئے گی۔

خرچ کے مستحقین اور مقدار کا سوال

اس رکوع میں حلال وحرام کے بارے میں بہت سے سوالات کا ذکر ہے، چنانچہ اسی آیت کریمہ سے پہلے شراب اور جوئے کے متعلق سوال ہے، اور پھر مصرف کا سوال ہے کہ کن لوگوں پر خرچ کیا جائے جو کہ پچھلے رکوع میں قریب ہی ہے، والدین قریبی رشتہ داروں یتیموں مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کیا جائے، تلاوت کردہ آیت ۲۱۹ میں خرچ کی مقدار کے متعلق سوال ہے۔ ویسئلونك ماذا ینفقون ۔لوگ آپ سے یہ بھی دریافت کرتے ہیں کہ کتنی مقدار میں خرچ کیا جائے، اس سوال کا جوب بھی سوال کے ساتھ ہی دیا دگیا ہے، اور یہی بات قرآن کے اس پروگرام میں ہے، جس کو اپنانے کے بعد تمام مشکل اقتصادی ومعاشی مسائل حل ہوجاتے ہیں اور کوئی آدمی پریشانی میں مبتلا نہیں رہتا لیکن چونکہ لوگوں نے حقیقت کو ترک کرکے رسم ورواج اور بہت سی دوسری چیزوں کو اختیار کرلیا ہے،

لہٰذا دنیا میں طرح طرح کے مسائل اور پریشانیاں لاحق ہو رہی ہیں۔

جزائے عمل

دراصل اس وقت دنیا میں مسلمانوں کا کوئی مقام نہیں ہے، جب سے مسلمانوں سے خلافت ختم ہوئی ہے مسلمان اپنا اجتماعی مقام کھو بیٹھے ہیں اور ان کی اجتماعیت ختم ہو گئی ہے، دین کی بقا کی ذمہ داری تو خود اللہ تعالیٰ نے اٹھا رکھی ہے، لہٰذا وہ تو ختم نہیں ہوگا البتہ جہاں تک انفرادیت کا تعلق ہے اچھے مسلمان متقی پرہیزگار اور صحیح العقیدہ مسلمان موجود ہیں، جو اپنی طاقت کے مطابق صحیح عمل بھی کرتے ہیں مگر اجتماعی لحاظ سے نظام حکومت اچھا نہیں ہے، مسلمانوں کی کوئی سپر پاور نہیں ہے، ان میں اتفاق واتحاد کا فقدان ہے، ہر آدمی اور ہر پارٹی دوسرے کی بجائے اقتدار کی خواہش مند ہے ہر آدمی کے ذہن میں چوھدراہٹ کا غلبہ ہے اور برسر اقتدار آنے کا خواہش مند ہے اپنا راستہ صاف کرنے کے لیے اچھے آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے، ایسا کرنے والے بھی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے جس شخص نے اپنے بھائی کے لیے گڑھا کھودا وہ خود ہی اس میں آج نہیں تو کل کو گرے گا فارسی کا مقولہ بھی ہے، چاہ کن راہ چاہ درپیش، جو شخص دوسرے کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود ہی اس میں گرتا ہے، من ضحك ضحك ، کسی کا تمسخر اڑاتا ہے اس کا تمسخر بھی اڑایا جاتا ہے، از مکافات عمل غافل مشو، گندم از گندم بروئد، جوز جو، مکافات عمل سے بچنا ممکن نہیں ہے کیونکہ گندم سے گندم اور جو سے جو ہی پیدا ہوں گے اور عربی کا یہ مقولہ بھی ہے کما تدین تدان، جیسا کرو گے ویسا بھرو گے اگر آدمی پاگل نہ ہو تو جس طرح اسے اپنی موجودگی کا یقین ہوتا ہے، اسی طرح اس کی موت اور جزائے عمل بھی یقینی ہے اور اس بات میں کوئی شک وشبہ نہیں ہونا چاہیے۔

مسلمانوں کا عروج وزوال

میں نے عرض کیا کہ انفرادی طور پر تو اچھے آدمی بھی موجود ہیں لیکن مسلمانوں کی مجموعی حالت صفر ہے، پورے عالم میں تباہ و برباد ہیں نہ ان کی کوئی سیاست ہے نہ حکومت ہے نہ نیشنلزم ہے نہ صنعت وحرفت ہے نہ ہی سائنس میں کوئی مہارت ہے، سب امریکہ اور دوسری سپر طاقتوں کے غلام اور ان کے محتاج ہیں، ہر کام ان سے سیکھتے ہیں جو کہ تنزل کی علامت ہے اور یہ حالت ایک دن پیدا نہیں ہوئی بلکہ گزشتہ آٹھ صدیوں سے چلی آ رہی ہے، آپ کو یقین رکھنا چاہیے کہ تاتاریوں کے فتنے سے قبل مسلمان دنیا بھر میں سپر طاقت تھے ان کے پاس صنعت وحرفت فنون و سائنس علم و ہنر اور فوج تھی، سپین کے عیسائی ان کے پاس آ کر سیکھتے تھے، ان کی یونیورسٹیاں بغداد اور خراسان میں

تھیں اور وہ عروج کا زمانہ تھا ۶۵۱ ہجری میں تاتاریوں کا فتنہ رونما ہوا اور خلفائے راشدین کے زمانے کے بعد مسلمان ساڑھے چھ سو سال تک اسلام پر پوری طرح کاربند نہیں رہے لیکن اجتماعیت قانون علم وفن جیسا کہ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ دنیاوی ترقی سے متعلق ہر چیز امریکہ اور دوسری بڑی طاقتوں کے پاس ہے یہ شیطانی داؤ پیچ کرتی ہیں، چھوٹی طاقتوں کو آپس میں لڑا کر اپنے اغراض پورے کرتی ہیں، آج ان کے ہاں دولت کی فراوانی ہیں امریکہ نیا پالو ہشتم نامی سیارہ ۱۹۶۸ء میں اڑایا تھا جس پر بیس کھرب روپے خرچ آیا تھا، اب تک تو سائنس میں بہت ترقی ہو چکی ہے اور ایسے کئی سیارے اڑائے جا چکے ہیں، اگرچہ دنیاوی اعتبار سے یہ ترقی پر ہیں، لیکن ذہنی اعتبار سے کچھ بھی نہیں ہیں ان کی ذہنی حالت شداد اور نمرود سے بھی کمزور ہے، کیونکہ ذہن اسی انسان کا بلند مانا جاتا ہے جو دنیا میں امن قائم کرے اور جس کی فکر پاکیزہ ہو۔

ذہنی بلندی کا معیار

انبیاء علیہم السلام سے زیادہ ذہن کی بلندی کسی کی نہیں ہو سکتی، صنعت وحرفت تو تجربہ سے حاصل ہوتی ہے اور تجربہ ہر قسم کے لوگ کر لیا کرتے ہیں، چیز بھی ایجاد کرتے ہیں مگر ذہنی طور پر بلندی حاصل نہیں ہوتی اگر ان میں ذہنی بلندی ہوتو اس دنیا میں ایک بھی قتل ناحق نہ ہو جو کہتا ہے کہ یہ بڑی ترقی کر گئے ہیں جھوٹ کہتے ہیں، یہ تو انتہائی درجے کے وحشی اور درندے ہیں ظالم خود غرض اور سفاک ہیں، روس والے کو ترقی یافتہ کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے اس نے تو لاکھوں بے گناہ آدمیوں کو قتل کیا ہے یہ تو پست ذہن کے حامل ہیں، اگر ترقی یافتہ ہوتے تو دنیا میں امن قائم کرتے یہ تو اچھے اور بے گناہ آدمیوں کو موت کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔ کیونکہ ایسا آدمی ان کی پالیسی پر تنقید کرتے ہیں اور اس کے ساتھ جمہوریت کا راگ بھی الاپتے ہیں حالانکہ ہر آدمی کو تنقید کرنے کا حق حاصل ہے جب تک کوئی آدمی اخلاقی جرم کا مرتکب نہ ہو اس کو سزا دینا حرام ہے۔ اخلاقی جرم، قتل، اغوا، ڈاکہ وغیرہ کے مجرم کو ضرور سزا دو اسلام اس کا حامی ہے، لوگ اسلامی حدود پر اعتراض کرتے ہیں، حالانکہ وہ اس کا مطلب ہی نہیں سمجھتے، غنڈوں بدمعاشوں کو پکڑ کر سزا دے دینا تاکہ وہ غنڈہ گردی سے باز آجائیں اور پھر ان کی اصلاح کی کوشش کرنا تاکہ اچھے انسان بن جائیں حدود کا مقصد ہے، فضیل بن عیاضؒ ڈاکو تھے اللہ نے امام ابوحنیفہؒ جیسے لوگوں کے ساتھ تعلق پیدا کر دیا تو اونچے درجے کے آدمی بن گئے، ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کون تھے، اللہ کے پاک نبی کی خدمت میں پہنچے تو ابوذر غفاریؓ بن گئے، یہ پوری امت میں اپنی نوعیت کے واحد آدمی ہیں جو اس درجے کو پہنچے کہ اللہ کے نبی نے فرمایا کہ زمین کے اوپر اور آسمان کی چھت کے نیچے ابوذر غفاریؓ جیسا سچا آدمی کوئی نہیں ہے، سوائے نبی اور رسولوں کے

فرمایا یہ تو عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، گویا ایک ڈاکو اتنی بلندی تک پہنچا۔

میں نے اپالو ہشتم کی فضا میں پرواز کا ذکر کیا ادھر سعدیؒ نے بھی پرندوں کی گفتگو میں ذکر کیا ہے کہ تم نے زمین کے کون سے کام ٹھیک کر دیے ہیں، جو آسمان پر چڑھ کر جاؤ گے اور وہاں کوئی اچھا کام انجام دو گے زمین پر تو امن قائم نہ کر سکے لوگوں کو علم سے روشناس نہ کرا سکے ان کی بنیادی ضروریات پوری نہ ہوئیں، ان کو پیٹ بھر کر خوراک میسر نہ ہو سکی تن ڈھانپنے کو لباس میسر نہ آیا، گرمی سردی سے بچنے کے لئے جھونپڑی میسر نہ آئی فضا میں اپالو اور دوسرے سیارے بھیج کر لوگوں کی کون سی خدمت انجام دو گے، سیاروں پر خرچ کئے جانے والے کھربوں روپے اگر ان کی علمی اور بنیادی ضروریات پر خرچ کرتے تو ذہنی بلندی بھی آتی، حضرت عمر بن الخطابؓ خلیفہ راشد بیت المال میں سے خرچہ ضرور لیتے تھے مگر کہتے تھے کہ یہ میں قرض سمجھ کر لے رہا ہوں اگر اللہ نے توفیق دی تو بیت المال میں واپس کروں گا وہ تو اس فکر کے مالک تھے کہ اگر عام لوگوں کو کھانے کے لئے زیتون کا تیل نہیں ملتا تھا تو آپ خود بھی تیل استعمال نہیں کرتے تھے کہتے تھے کہ جب عام لوگوں کو میسر نہیں تو میں کیوں استعمال کروں یہ ان کی ذہنی اور عقلی بلندی تھی۔ کیا ترقی اور عروج اس چیز کا نام ہے کہ بڑے بڑے محلات میں رہیں اور ساری دنیا کو غلام بنالیں؟ کیا ان کا کام انسانوں کے خلاف سکیمیں بنانا ہی رہ گیا ہے تا کہ ان کو اقتصادی طور پر کمزور کر پستی میں ڈال دیا جائے اور غلام بنا لیا جائے یہ تو کوئی ذہنی تفوق نہیں ہے۔

اورنگزیب عالمگیر کی ذہنی بلندی

پرانے زمانے کی نہیں بلکہ موجودہ دور کی مثال عرض کر رہا ہوں، اورنگزیب عالمگیر کا باپ متشرع آدمی تھا، اس کا دادا آزاد خیال مگر صحیح العقیدہ تھا البتہ پردادا دبنگ آدمی تھا علم سے بے بہرہ تھا اور غلط صحیح سب باتیں کرتا تھا تاہم اس نے بعض اچھی باتیں بھی کیں اور شہنشاہ کہلاتا تھا گویا اس کا بیٹا اسے اچھا پوتا اسے اچھا اور پڑپوتا تو کمال درجے کا آدمی تھا مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے تھے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ، شاہ ولی اللہؒ، شاہ عبدالعزیزؒ یہ سب مجدد دین یعنی علم اور دین کی تجدید کرنیوالے تھے میں عالمگیر کی بات کر رہا ہوں شہزادگی کا زمانہ تھا جب کہ اکثر شہزادگان عیش و عشرت میں مبتلا ہوتے ہیں مگر عالمگیر بارش کے دوران واٹر پروف لباس پہن کر کہیں کھڑے ہو گئے، تا کہ اگر کسی کو ضرورت ہو تو اس کی مدد کر سکے ایک ہندو نے ان کو مزدور سمجھ کر کہا کہ میرا یہ سامان اٹھا کر گھر تک لے چلو جس کے لیے چھ آنے مزدوری ٹھہری عالمگیر نے سامان اٹھایا اور ہندو کے گھر تک لے گئے ہندو کہنے لگا کہ اس وقت تو میرے

پاس صرف چار آنے ہیں، بقایا دو آنے پھر کسی وقت لے لینا کیونکہ اس وقت دکان پر جانا تو بہت مشکل ہے عالمگیر نے وہ چار آنے لے لئے چونکہ فوری طور پر خرچ کرنے کی حاجت نہیں تھی، لہٰذا انہوں نے وہ چار آنے اپنے پاس محفوظ کر لئے عالمگیر کے استاد ملاں جیون لکھنو کے رہنے والے تھے کبھی کبھار دہلی بھی آتے، ایک دفعہ وہ اپنے شاگرد عالمگیر سے ملنے کے لیے آئے، عالمگیر نے ان کا بڑا احترام کیا اور ان کو عزت دی جب جانے لگے تو عرض کیا کہ اس وقت میرے پاس چار آنے ہی ہیں میں آپ کی اور خدمت تو نہیں کر سکا یہ چار آنے ہی قبول کر لیں، استاد نے قبول کر لیے یہ وہی چار آنے تھے جو عالمگیر نے ہندو کی مزدوری کر کے حاصل کیے تھے، استاد نے کسی بھی بڑی خدمت کا مطالبہ نہیں کیا، بلکہ فرمایا جو کچھ خوشی سے دیتے ہو میرے لئے یہی کافی ہے، وہ چار آنے استاد نے کسی کو تجارت میں لگانے کے لے دے دیے۔ اللہ نے اس چار آنے میں اتنی برکت دی کہ ملاں جیون نے اسے زمین اور مکان خریدے حلال کی کمائی کی ایسی ہی برکت تھی۔ عالمگیر بادشاہ بنا تو اس نے پچاس سال تک بادشاہی کی، وہ اتنا ذہنی تفوق رکھتا تھا کہ بیت المال سے زیادہ خرچہ نہیں لیتا تھا بلکہ خوش خط تحریر میں قرآن پاک لکھتا تھا اور ٹوپیاں بناتا تھا جس سے اپنی ضروریات پوری کرتا تھا کہتا تھا کہ بیت المال عوام کا حق ہے ہم تو محض منتظم ہیں۔

حضرت عمرؓ کا عدل

حضرت عمرؓ بھی کہا کرتے تھے کہ میں نے بطور خلیفہ اپنے آپ کو یتیم کے متولی کی طرح ٹھہرا رکھا ہے، کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ یتیم کا متولی اگر محتاج ہو، یتیم کے مال کی حفاظت کرے، اس کو کسی کام میں لگائے تو وہ یتیم کے مال میں سے اپنی ضرورت کے مطابق کھا پی سکتا ہے، نیز سفر کا خرچہ یا رہائش کا خرچہ اور کھانے پینے کا خرچہ لے سکتا ہے، لیکن خیانت نہیں کر سکتا کہ یہ اس کے لئے حرام ہے، آپ فرماتے تھے کہ میرا معاملہ بھی بیت المال کے ساتھ اس قسم کا ہی ہے، حسبِ ضرورت لے لیتا ہوں مگر اس نیت سے کہ اگر میرے پاس مال آ گیا تو بیت المال میں واپس کر دوں گا۔

حکومتی خزانے کا بے دریغ استعمال

مگر موجودہ دور میں وہ بات نظر نہیں آتی آج تو اقتدار پر قابض لوگ جتنا چاہیں فضولیات پر خرچ کر ڈالیں، کوئی پوچھنے والا نہیں ہے بلا ضرورت بڑی بڑی عمارات تعمیر کروا لیں، فضول رسم و رواج پر خرچ کر ڈالیں، اپنی عیش پر پیسہ اڑا دیں شراب نوشی اور دیگر حرام کاموں میں روپیہ لگا دیں بلا وجہ سفر کے لیے لمبی لمبی پروازیں کریں

اور کام ٹکے کا بھی نہ کریں مگر عوام کے جان و مال کو باپ دادا کی کمائی سمجھ کر خرچ کرتے ہیں حضرت عمرؓ انہوں نے بارہ سال خلافت کی، اس دوران بڑی بڑی جنگیں بھی لڑی گئی مگر پورے عرصہ خلافت میں آپ نے صرف دو دفعہ شام کا سفر کیا۔

خرچ کی مقدار

میں نے عرض کیا تلاوت کردہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے وہ پروگرام دیا جس پر عمل درآمد سے آدمی سکون پا جائیں، اور انکی ساری پریشانیاں دور ہو جائیں، فرمان خداوندی ہے یسئلونك ماذا ینفقون ۔اے پیغمبر آپ سے لوگ پوچھتے ہیں کہ کتنی مقدار میں خرچ کریں ۔قل العفو ۔آپ کہہ دیں جائز ضرورت سے زائد مال خرچ کر ڈالو بنیادی ضرورتوں کی تکمیل ضروری ہے، ان کو مقدم رکھو جیسا کہ آپ ہمیشہ پڑھتے ہیں یعنی اچھا صدقہ وہ ہے جو اپنی جائز ضروریات پوری کرنے کے بعد کیا جائے اگر اپنی جائز ضرورت روک کر خرچ کیا جائے تو وہ درست نہیں ہے۔معیشت کے اعتبار سے ہی بات کارآمد ہوسکتی ہے۔ جب زائد دولت کو جمع کیا جاتا ہے تو پھر لوگ قارون اور شداد بنتے ہیں دولت کے سانپ بن کر اوپر بیٹھ جاتے ہیں اور حق داروں کے حقوق تباہ ہوتے ہیں، لوگ ظلم کی چکی میں پستے رہتے ہیں مگر ان کا کوئی پرسان حال نہیں ہوتا، حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ آدمی کا کھانا، پینا، لباس، رہائش، صحت اور تعلیم اس کی بنیادی ضروریات ہیں، گرمی سردی سے بچنے کے لیے مکان کی ضرورت نہ صرف انسانوں کے لیے ضروری ہے، بلکہ جانوروں کے لیے بھی ضروری ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جانوروں کی کھال اور ان کے بال ان کو لباس کے طور پر عطا کر دیے ہیں، پرندوں کو پر دے دیے ہیں، جن کے ذریعے وہ گرمی سردی سے محفوظ رہتے ہیں مگر انسان کو لباس حاصل کرنے کے لیے کاوش کرنی پڑتی ہے۔

باہمی تعاون کی اہمیت

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ اجتماعیت کا تقاضا ہے کہ کوئی آدمی بیکار نہ رہے، سوائے معذور آدمی کے ہر ایک کو دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے ہر شخص کو کوئی نہ کوئی کام کرنا چاہیے کیونکہ بیکار رہنا تو فساد کا باعث ہوگا آدمی کو جسمانی کام کرے یا ذہنی کام انجام دے، البتہ معذور آدمی مستثنٰی ہے، تعاون ضروری ہے کیونکہ تعاون کے بغیر تو لباس بھی حاصل نہیں ہوسکتا ہے، نہ خوراک مل سکتی ہے تعلیم اور صحت کے لئے بھی ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ضروری

ہے ذرا غور کریں تو ایک آدمی کا لباس کتنے تعاون کے بعد حاصل ہوتا ہے کسان کپاس کاشت کرتا ہے دوسرا اس کو کات کر دھاگے بناتا ہے۔کوئی ان دھاگوں کو کپڑے کی صورت میں بنتا ہے،کوئی درزی اسکو سیتا ہے،اور تب جا کر کوئی آدمی اس کو پہنتا ہے۔شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔کہ تعاون کے بغیر آدمی صبح سے شام تک محنت کرتا رہے مگر وہ ایک روٹی بھی میسر نہیں کر سکتا کیونکہ یہ چیز تعاون سے ہی حاصل ہوتی ہے۔

انسان کی تین حالتیں

انسان کی تین حالتیں ہیں، ایک حالت نہایت غربت اور محتاجی کی ہے جو کہ ناپسندیدہ ہے دوسری حالت دولت اور تعیش والی حالت ہے یہ بھی ناجائز ہے،البتہ تیسری حالت درمیانی ہے شاہ صاحبؒ نے یہی بات سمجھائی ہے کہ نہ تو انتہائی درجے کا افلاس ہو اور نہ حد درجے تعیش والی حالت ہو، بلکہ لوگوں کو درمیانی حالت میں رہنا چاہیے ان کی بنیادی ضروریات پوری کرنے کے بعد جو بچ جائے وہ خرچ کر دیا جائے،حضور علیہ السلام نے بشارت کے عنوان سے یہ بات سمجھائی ہے قد افلح من اسلم ،جس نے اسلام قبول کرلیا وہ کامیاب ہو گیا اسلام ایک فطری دین ہے باقی سارے ادیان غیر فطری ہیں جس نے اللہ کی توحید اور قرآن اور وقوع قیامت پر یقین کرلیا، تمام انبیاء اور کتب سماویہ کو برحق تسلیم کرلیا کفر شرک سے بےزار ہو گیا وہ فلاح پا گیا۔جس نے اسلام قبول نہ کیا وہ گمراہی میں جا پڑا۔

حضور علیہ السلام نے یوں دعا کی ہے اللّٰھم اجعلنی وآل محمد قوتاً۔اے اللہ۔میرے اور میرے خاندان کا رزق ایسا بنادے جس سے وقت بسر ہو جائے، مجھے ذخیرہ کرنے کی خواہش ہی نہیں ہے،اور نہ میں نے امت کو جمع کرنے کی تعلیم ہی دی ہے،اور جس کی روزی برابر سرابر ہو گئی وقنّعہ اللّٰہ اور جو کچھ اللہ نے دیا اس پر قناعت کرے گا زیادہ کی حرص نہیں کی کیونکہ انسان جتنی حرص ،بغض یا حسد کرتا ہے،اتنی ہی بربادی آتی ہے، برابری والی بات ہی کمال درجے کی بات ہے، یہ فلاح کا عنوان ہے جو آپ پڑھتے ہیں۔کہ دولت مند آدمی غریب کی نسبت پانچ سو سال بعد جنت میں پہنچے گا۔کیونکہ اتنا عرصہ اس کے مال و دولت کا حساب ہی ہوتا رہے گا،اور غریب آدمی جس کے پاس دنیا میں کچھ نہیں بچتا تھا وہ حساب کتاب سے فارغ ہو جائے گا اور جنت میں پہنچ جائے گا بہر حال اگر یہ پروگرام دنیا میں رائج ہو جائے تو دنیا میں امن قائم ہو جائے، معاشی تفاوت ہی جھگڑا فساد کا موجب بنتا ہے،اس پروگرام کے ذریعے دنیا حرص و لالچ سے بچ جاتی ہے،معاشرہ میں نہ تو انتہائی درجے کی غربت ہو،اور

نہ نہایت درجے کی تعیش ہو، بلکہ درمیانی حالت ہو جس سے ہر آدمی کی جائز ضروریات پوری ہو جائیں اور جو کچھ بچے وہ فی سبیل اللہ خرچ کر دے۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی باتیں ہیں اللہ نے موقع دیا تو وہ بھی آپ کے گوش گزار کروں گا۔

دعائیہ کلمات

بہت سے احباب نے دعا کے لئے درخواست کی ہے لہٰذا سب حضرات دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ تمام بیمار مسلمانوں کو جس جس بھی جسمانی یا روحانی بیماری میں مبتلا ہیں شفائے کاملہ عاجلہ نصیب فرمائے اور جو مسلمان وفات پا چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کی لغزشوں سے درگزر فرمائے نیکیوں کو شرف قبولیت بخشے اور سب کو جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور جو مسلمان پریشان حال ہیں اللہ تعالیٰ ہر قسم کی دینی دنیاوی گھریلو یا کاروباری پریشانیوں سے نجات دے کاروبار میں برکت اور رزق حلال میں وسعت نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین حق کی سمجھ اور اس پر کاربند رہنے کی توفیق بخشے اور سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سبحانك اللّٰهم وبحمدك اشهد ان الااله الاانت استغفرك واتوب اليك۔

(تاریخ خطبہ ۹ مارچ ۱۹۹۰ء)

''ہمارے ہاں بدقسمتی سے یہ مزاج عام ہوتا جا رہا ہے کہ ہم مخالف کا موقف اس سے نہیں پوچھتے بلکہ اس کی تحریروں اور بیانات میں سے اپنی مرضی کی باتیں سامنے رکھ کر خود طے کرتے ہیں، اور اگر وہ جواب میں اپنے موقف کی وضاحت کرنا چاہے تو اسے یہ حق دینے کیلئے تیار نہیں ہوتے۔'' [مولانا زاہد الراشدی]

مولانا محمد فیاض خان سواتی

شوقِ مطالعہ

تعوذ میں مسائل کی تعداد

امام ابوعبداللہ فخر الدین محمد بن عمر القرشی الطبرستانی الرازی الشافعیؒ المتوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں۔

''اعوذ با للّٰہ'' مشتمل علیٰ عشرة آلاف مسئلة ،او ازید،او اقل من المسائل المهمة المعتبرة''اعوذ باللہ دس ہزار یا اس سے کم یا زیادہ مسائل پر مشتمل ہے جو اہم اور معتبر مسائل میں سے ہیں۔''

(التفسیر الکبیر عربی ج ا ص ۴ طبع مصر)

حکمرانوں کی چار نقصان دہ چیزیں

جناب محمد اسحاق بھٹی صاحب رقمطراز ہیں۔

(شیخ اشرف جہاں گیرؒ المتوفی ۸۰۸ھ جو خود بھی حکمران رہ چکے تھے، وہ حکام کی ان چار نقصان دہ چیزوں کے بارہ میں فرمایا کرتے تھے کہ

(۱) سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہوجانا۔

(۲) اپنے مقربین و مصاحبین سے بدخلقی کے ساتھ پیش آنا۔

(۳) سزا دینے میں زیادتی کرنا۔

(۴) رعیت پر ظلم کرنا۔

(بحوالہ لطائف اشرفی ج ا ص ۱۶۶)

(فقہائے ہند، نویں صدی ہجری جلد دوم ص ۱۵۱ و ص ۱۵۲ طبع لاہور)

سب سے زیادہ خبیث

امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذھبیؒ المتوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں (مشہور محدث حضرت ایوب سختیانیؒ

فرمایا کرتے تھے۔''لا خبیث اخبث من قاریٔ فاجر '' فاجر قاری سے زیادہ خبیث کوئی خبیث نہیں ہے۔''(سیر اعلام النبلاء عربی ج۶ ص ۷ طبع بیروت لبنان)

سلطان التمشؒ کا اپنی رعایا کی عمر رسیدہ خواتین سے حسن سلوک

پروفیسر محمد اسلمؒ سابق استاد شعبہ تاریخ پنجاب یونیورسٹی لاہور رقمطراز ہیں۔

''حضرت گیسو درازؒ فرماتے ہیں کہ سلطان شمس الدین التمش ہر شب جمعہ بوڑھی اور غریب عورتوں کے گھروں میں جاتا اور ان میں سے ہر ایک کے سامنے چار پانچ ٹنکے اور چند سیر مٹھائی رکھتا اور ان کے قدموں میں گرتا اور کہتا وہ ان کا غلام ہے اور وہ اس کی بی بیاں ہیں''۔(جوامع الکلم ص ۲۶۹)(سرمایۂ عمر ص ۲۱۳)

دو ادوار کا نمایاں فرق

شیخ عز الدین ابوالحسن علی بن ابی الکرم محمد بن محمد الشیبانی المعروف با بن الاثیرؒ المتوفی ۶۳۰ھ لکھتے ہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (صحابہ کرامؓ کو مخاطب کرتے ہوئے) ارشاد فرمایا کہ تم نے ایسے زمانہ میں صبح کی ہے جس میں فقہاء زیادہ ہیں اور خطباء کم ہیں، سوال کرنے والے کم ہیں اور عطا کرنے والے زیادہ ہیں، ایسے دور میں عمل، علم سے بہتر ہے اور عنقریب تم پر ایسا زمانہ آجائے گا جس میں خطباء زیادہ ہوں گے اور فقہاء کم ہوں گے سوال کرنے والے زیادہ ہوں گے اور عطا کرنے والے کم ہوں گے، ایسے زمانہ میں علم، عمل سے بہتر ہوگا۔''

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ عربی ج۳ ص۱۴۹ طبع بیروت لبنان)

مُسندِ جن

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ المتوفی ۱۹۴۳ء لکھتے ہیں۔

''خان صاحب (حضرت حاجی امیر شاہ خان صاحب خورجویؒ) نے فرمایا کہ مولوی عبدالقیوم صاحب فرماتے تھے، شہزادہء جنات کا سانپ کی صورت میں قتل کرنا اور اس کے بعد قاضی جنات کی عدالت میں بحیثیت مجرمانہ پیش ہونا اور قاضی کا حدیث میں من قتل فی غیر زیه فدمه هدر کی بناء پر مجرم کو رہا کرنا یہ شاہ ولی اللہ صاحب کو پیش آیا تھا، نہ کہ شاہ اہل اللہ صاحب کو اور انہوں نے اس روایت کے علاوہ اس جن سے اور حدیثیں بھی سنی ہیں جن کو شاہ صاحب نے جمع کر کے اس کا نام مسند جن رکھا ہے، اور مولانا عبدالقیوم صاحب یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے وہ مسند دیکھا بھی ہے، اس کے بعد خان صاحب نے فرمایا کہ مولانا گنگوہیؒ اس قصہ کو بروایت شاہ عبدالغنی صاحب

شاہ اہل اللہ صاحب کی طرف منسوب کرتے تھے،اور فرماتے تھے کہ شاہ اہل اللہ صاحب کا یہ قصہ ہے نہ کہ شاہ ولی صاحب کا، میں نے اس معاملہ میں مولانا سے گفتگو بھی کی مگر مولانا اپنی رائے پر قائم رہے، واللہ اعلم۔''

(ارواح ثلاثہ مجموعہ رسائل (۱)امیر الروایات از حضرت امیر شاہ خان صاحب (۲)روایات الطیب از مولانا قاری محمد طیب صاحب (۳)اشرف التنبیہ وحاشیہ از حکیم الامت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ ملقب بہ حکایات اولیاء ص ۲۶ و ص ۲۷، طبع کراچی)

دوستوں کا جی خوش کرنا بھی عبادت ہے

حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانویؒ المتوفیٰ ۱۳۶۲ھ فرماتے ہیں۔

''حضرت مولانا فتح محمد صاحبؒ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی حکایت بیان فرماتے تھے، کہ میں حضرت رحمہ اللہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا، بہت دیر تک بیٹھا باتیں کرتا رہا، ہاں آخر جب بہت دیر ہوگئی تو میں اٹھا اور عرض کیا کہ حضرت آج میں نے آپ کی عبادت میں بہت حرج کیا، حضرت فرمانے لگے کہ مولانا یہ کیا فرمایا نماز روزہ ہی عبادت ہے اور دوستوں کا جی خوش کرنا عبادت نہیں، حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنھم کے ساتھ بیٹھتے تھے اور حدجواز تک جس قسم کی باتیں صحابہ رضی اللہ عنھم فرماتے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ شریک رہتے مگر عوام الناس کیا سمجھیں۔۔۔۔۔

در نیابد حالِ پختہ ہیچ خام
پس سخن کوتاہ باید والسلام

(تجربہ کار آدمی کی حالت کو غیر تجربہ کار آدمی نہیں سمجھ سکتا، لہٰذا بات کو طول نہ دے (بڑوں کی شان میں اعتراض کرنے سے اپنی زبان کو تھامے رکھ) اسی میں بھلائی وخیریت ہے)۔''

(دعوات عبدیت جلد چہارم کا دوسرا وعظ ملقب بہ تفاضل الاعمال ص ۱۳، طبع کراچی)

مولانا زاہد الراشدی

دینی مدارس کے نظام کا تاریخی پس منظر اور معاشرتی کردار

[۱۱، فروری ۲۰۲۲ء کو جامع مسجد نور جامعہ نصرۃ العلوم میں جمعۃ المبارک کے اجتماع سے خطاب]

(ضبط وترتیب) محمد حذیفہ خان سواتی

الحمد للّٰہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ، ونعوذ باللّٰہ من شرور انفسنا ومن سیئٰت اعمالنا ، من یھدہ اللّٰہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ، و نشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ وحدہ لا شریک لہ ، ونشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ، ارسلہ بالحق بشیراً ونذیراً وّداعیا الی اللّٰہ باذنہ وسراجاً منیرا ، اللّٰھم صل علٰی محمد وعلٰی آل محمد کما صلیت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اللّٰھم بارک علٰی محمد وعلٰی آل محمد کما بارکت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم انک حمید مجید۔ اما بعد فاعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ، بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَo (الروم۔۷)

صدق اللّٰہ العظیم۔

بزرگانِ محترم، برادرانِ اسلام، قرآن مقدس کی ایک آیت کریمہ تلاوت کی ہے، مختصر وقت میں اس آیت مبارکہ کی روشنی میں کچھ ضروری باتیں عرض کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ جل جلالہ وعم نوالہ کی بارگاہ میں دعا فرمائیں کہ خداوند ذوالجلال مجھے صحیح صحیح عرض کرنے کی، آپ حضرات کو صحیح صحیح سننے کی، مجھے، آپ کو، سب مسلمان بلکہ انسان بھائیوں کو صحیح بات سمجھنے، قبول کرنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہجری اعتبار سے یہ رجب المرجب کا مہینہ ہے، اس مہینے کے فضائل اور خصوصیات اپنے مقام پر، لیکن

ہمارے ہاں دو باتوں کا اس میں زیادہ تذکرہ ہوتا ہے، ایک جناب نبی کریمؐ کے سفرِ معراج کے حوالے سے اور دوسرا یہ کہ دینی مدارس کے تعلیمی سال کا یہ آخری مہینہ ہوتا ہے، اس میں مدارس کی تقریبات ہوتی ہیں، قرآن پاک اور بخاری شریف کے آخری سبق اور مختلف عنوانات سے اجتماعات اور امتحانات ہوتے ہیں، الغرض! یہ ہمارے دینی تعلیمی سال کا آخری مہینہ ہوتا ہے، اس کے بعد شعبان اور رمضان میں چھٹیاں ہوتی ہیں، اس حوالے سے یہ دو باتیں اس مہینے میں عام طور پر مجالس میں زیادہ ذکر ہوتی ہیں، اسی بابت میں بھی دو تین باتیں عرض کرنا چاہوں گا۔

دینی مدارس کی تعلیم کے بارے میں عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ صرف دین کی تعلیم دیتے ہیں، دنیا کی ضروریات کی تعلیم نہیں دیتے اور یہ کہا جاتا ہے کہ تعلیم دو حصوں میں تقسیم ہے، اس تقسیم کے نقصانات ہیں اور اس تقسیم کا اثر بھی پڑ رہا ہے، ایک تو میں یہ بات عرض کرنا چاہوں گا کہ تقسیم موجود تو ہے لیکن یہ تقسیم کب ہوئی تھی اور کس نے کی تھی؟ تقسیم تو بہر حال موجود ہے جو نظر آ رہی ہے، مدارس ہر جگہ ہیں اور اسکولز و کالجز بھی ہر جگہ ہیں، جو کچھ کالجوں میں پڑھایا جاتا ہے وہ مدارس میں نہیں اور جو کچھ مدارس میں پڑھایا جاتا ہے وہ کالجوں میں نہیں، اِن کے مضامین الگ ہیں، اُن کے مضامین الگ ہیں، اُن کا دائرۂ تعلیم اور ہے، اِن کا دائرہ تعلیم اور ہے، ایک ہی محلے اور ایک ہی شہر میں ہیں، یہاں نصرۃ العلوم میں اور اسلامیہ کالج میں کتنا فاصلہ ہوگا، گورنمنٹ کالج اور مظاہر العلوم میں کتنا فاصلہ ہوگا، غرضیکہ ایک ہی شہر اور ایک ہی محلے میں وہ بھی ہے اور یہ بھی ہے، وہاں تعلیم اور ہوتی ہے اور یہاں اور ہوتی ہے، یہ کیا ماجرا ہے؟ پہلی بات تو میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ تقسیم کب ہوئی تھی اور کیوں ہوئی تھی۔

ہمارے مدارس میں جو نصاب پڑھایا جاتا ہے اس کو درسِ نظامی کہتے ہیں، یہ درس نظامی تقریباً تین سو سال ہو گئے ہیں اورنگزیب عالمگیر کے زمانے میں جب پورا جنوبی ایشیا متحد تھا، بنگلہ دیش، پاکستان، انڈیا، برما یہ سب ایک تھے، اُس زمانے میں ہمارے ایک بزرگ تھے، علمی خاندان کے فرد تھے، ملا نظام الدین سہالویؒ، لکھنؤ کے قریب سہالی ایک جگہ کا نام ہے، وہاں کے تھے، خاندان کی کئی پشتیں علماء کی ہیں، وہ اپنے گاؤں سے اٹھ کر لکھنؤ شہر میں آ گئے، اورنگزیب عالمگیرؒ نے ملا نظام الدین سہالویؒ کو ایک بلڈنگ الاٹ کی کہ یہاں رہیں بھی اور مدرسہ بھی بنائیں، اس کو ''فرنگی محل'' کہتے ہیں، اس زمانے میں وہاں بیرونی تجارتی کوٹھیاں ہوتی تھیں، مغربی، یورپی لوگ ہالینڈ، برطانیہ اور فرانس وغیرہ کے وہاں تجارت کرتے اور اپنی کوٹھیاں بناتے تھے، وہ ان کے تجارتی مراکز ہوتے تھے، کوئی کوٹھی کسی وجہ سے خالی پڑی تھی، اورنگزیب عالمگیرؒ نے وہ کوٹھی ملا نظام الدینؒ کو دے دی کہ اسے آپ سنبھالیں، ملا

نظام الدین سہالویؒ نے وہاں مدرسہ شروع کیا، وہ فرنگی محل کا مدرسہ کہلاتا ہے، جو تین سو سال سے اب تک چل رہا ہے،۔انہوں نے ایک نصاب ترتیب دیا، اللہ پاک نے اسے ایسی قبولیت عطا فرمائی کہ نصاب مرتب تو کیا ملا نظام الدین سہالویؒ نے، جاری کیا لکھنؤ میں، لیکن جو چیز وقت، سوسائٹی اور سماج کی ضرورت ہوتی ہے، اسے جو بھی پوری کرتا ہے اس کو اللہ پاک قبولیت عامہ عطا فرما دیتے ہیں، وہ چونکہ وقت کی ضرورت تھی تو پورے ساؤتھ ایشیا میں، بنگال سے لے کر پنجاب تک وہی پڑھایا جانے لگا، اور کچھ عرصے میں پورے ملک میں وہی نصاب رائج ہو گیا۔

نصاب میں کیا تھا؟ جو اسلامیہ کالج میں پڑھایا جاتا ہے اور جو نصرۃ العلوم میں پڑھایا جاتا ہے، دونوں نصاب کا حصہ تھے، آج کل جو سبجیکٹس یونیورسٹی میں اور جو مضامین مدرسے میں پڑھائے جاتے ہیں اس میں سب یکجا تھے، ایک ہی کلاس روم میں، ایک ہی تپائی پر، ایک ہی نصاب تھا، قرآن پاک بھی پڑھاتے تھے، ریاضی بھی پڑھاتے تھے، حدیث بھی پڑھاتے تھے، طب اور میڈیکل بھی پڑھاتے تھے، فقہ بھی پڑھاتے تھے، فلکیات اور سائنس بھی پڑھاتے تھے اور ہنر مندی بھی سکھاتے تھے، یہ سب ایک ہی جگہ ہوتا تھا، ملک کا عدالتی نظام فقہ حنفی تھا، قانون کے طور پر فقہ پڑھائی جاتی تھی، سرکاری، عدالتی اور دفتری زبان فارسی تھی، اس لیے وہ بھی پڑھائی جاتی تھی، خلاصہ کلام یہ کہ جو آج کالج میں پڑھایا جاتا ہے اور جو مدرسے میں پڑھایا جاتا ہے دونوں اکٹھے تھے، فلکیات جس کو آج سائنس کہتے ہیں، ریاضی، ٹیکنالوجی، طب جس کو آج میڈیکل کہتے ہیں سب کچھ اکٹھا تھا، زبان بھی، جغرافیہ بھی، تاریخ بھی سب اکٹھے پڑھائے جاتے تھے، ایک ہی نظم کے ساتھ، ایک ہی کلاس روم میں یہ سارے مضامین ڈیڑھ سو سال تک اکٹھے پڑھائے جاتے رہے ہیں۔

۱۷۵۷ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال میں نواب سراج الدولہ کو شکست دے کر قبضہ کر لیا تھا، پھر بڑھتے بڑھتے ۱۸۲۲ء تک پورے انڈیا پر قبضہ ہو گیا تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے دور میں بھی فارسی زبان سرکاری رہی، فقہ حنفی ملک کا قانون رہا اور درس نظامی کا نصاب وہی رہا حتیٰ کہ خود ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنی ضرورت کیلئے بہت سے مدرسے بنائے تھے، ان میں بھی یہی نصاب تھا، اورنگزیب کے زمانے سے لے کر ۱۸۵۷ء تک تقریباً ڈیڑھ صدی بنتی ہے، یہی نصاب پڑھایا جاتا رہا، ۱۸۵۷ء میں جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے ساتھ یہاں کے حریت پسندوں کی جنگ ہوئی اور حریت پسندوں کو شکست ہوئی، ایسٹ انڈیا کمپنی کی جگہ پر برطانیہ نے خود سارے ملک کا اقتدار سنبھال لیا تو سارے ملک کا نظام تبدیل کیا، زبان تبدیل کر دی، سرکاری دفتری عدالتی زبان پہلے فارسی تھی اب انگریزی کر

دی، ملک کا قانون عدالتی فقہ حنفی اور فتاوی عالمگیری تھا، اس کی جگہ انگریزی قانون لے آئے، جب نظام، قانون اور زبان تبدیل کر دی تو نصاب بھی تبدیل کر دیا، اس نصاب میں سے پانچ موضوع نکال دیے، عربی اور فارسی زبان نکال کر اس کی جگہ انگریزی لے آئے، فقہ حنفی کی جگہ انگریزی قانون آ گیا، اور چونکہ ان سب کا مدار قرآن وسنت پر تھا، جس کی ان کو ضرورت نہیں تھی تو اس سے متعلق پانچ مضامین، قرآن پاک، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی سب نصاب سے نکال دیے، جو بطور نصاب کے اس کے بعد نصاب کا حصہ نہیں رہے، دیکھیے! زبان اور قانون پر تو ملک کے انتظامی عدالتی نظام کا مدار تھا، جبکہ ان پانچ مضامین پر ملک میں دین کی تعلیم کا، مسجد کا، مدرسے کا اور دین کے سارے نیٹ ورک کا مدار تھا، ان کو بالکل ختم کر دیا، کسی نے قرآن پڑھنا تھا تو عالم بننا تھا، حدیث پڑھنی تھی تو عالم بننا تھا، فقہ پڑھنی تھی تو عالم بننا تھا، عربی پڑھنی تو دین کی باتوں سے واقف ہونا تھا، ان چار پانچ مضامین پر ہی مسجد، مدرسے، مکتب، قرآن پاک کی تعلیم اور لوگوں کی دینی راہنمائی کا مدار تھا، جن مضامین پر ملک کے نظام، دفتر، عدالت اور انتظامیہ کا مدار تھا وہ رکھ لیے اور یہ پانچ مضامین نکال دیے۔

ہمارے بزرگوں نے دیکھا کہ مسئلہ بڑا گھمبیر ہے، اگر یہ مضامین پڑھائے نہ گئے تو مسجد بھی گئی، مدرسہ بھی گیا، خطیب صاحب بھی گئے، امام صاحب بھی گئے، قاری صاحب بھی گئے، حافظ حاحب بھی گئے اور مفتی صاحب بھی گئے، اگر ان پانچ مضامین کی تعلیم باقی نہ رہتی تو یہ چار پانچ آدمی آپ کو کہیں ملتے؟ اگر قرآن پاک، حدیث، فقہ اور عربی نہ پڑھائی جاتی تو آپ کو ملک میں مولوی، قاری، حافظ نام کی کوئی شے ملتی؟ اگر یہ نہ ہوتے تو مسجدیں اور مدرسے کہاں جاتے؟ چنانچہ مستقبل کی اس دینی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے کچھ اللہ کے بندے بیٹھے کہ ٹھیک ہے، ہم لڑائی نہیں کرتے، یہ لوگ نہیں پڑھاتے تو نہ پڑھائیں، لیکن ہم پڑھائیں گے، اس لیے دینی مدرسے کی بنیاد یہ سوچ ہے کہ یہ پانچ مضامین جو ہماری دینی، معاشرتی اور سماجی ضرورت ہیں، قرآن پاک، حدیث، فقہ، عربی اور فارسی، اگر یہ نہیں پڑھاتے تو ہم ان کے ساتھ دھکا نہیں کرتے، ہم لوگوں سے چندہ مانگ کر پرائیویٹ بنیاد پر، رضاکارانہ طور پر اور امداد باہمی کی بنیاد پر خود پڑھائیں گے، یہ ہے دینی مدرسے کی بنیاد۔

میں نے عرض کیا تھا کہ یہ سوسائٹی کا مزاج ہے اور اللہ کا نظام بھی ہے کہ جو چیز سوسائٹی کی ضرورت ہو، اس کو روکا نہیں جا سکتا، جہاں سے وہ ضرورت پوری ہوتی ہے، وہ پھیل جاتی ہے۔ جیسے درسِ نظامی کی بات میں نے کی، جب چار پانچ مدرسے بنے، دیوبند کر مدرسہ بنا، سہارن پور کا مدرسہ بنا اور دیگر مدارس بنے تو لوگوں نے کہا کہ یہ چیز

ہماری ضرورت کی ہے اور جو چیز سوسائٹی کی ضرورت پوری کرے گی، وہ عام ہو گی، اسے کون روک سکتا ہے، جہاں جہاں یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ ہمیں مسجد اور مدرسے کو آباد رکھنا ہے، جس کے لیے مولوی، قاری، حافظ اور مفتی ہمیں چاہئیں تو انہوں نے اسے قبول کیا، اس سلسلہ میں، میں عرض کروں گا کہ ہم شروع ہوئے تھے چار پانچ مدرسوں سے، مرادآباد کا تھا، دیوبند کا تھا، سہارنپور کا تھا، مگر اس وقت جو میں بات کر رہا ہوں، پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش، برما جس کو ساؤتھ ایشیا کہتے ہیں، آج کے اعداد و شمار اور کے مطابق ایک لاکھ مدارس موجود ہیں، جن سے کروڑوں افراد تیار ہو چکے ہیں، یہ ان پانچ سات بزرگوں کے خلوص، محنت اور ایثار کا نتیجہ تھا۔

اس لیے پہلی بات تو میں یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ تقسیم یقیناً ہوئی ہے، لیکن ہم نے نہیں کی۔ یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ ہم تو اکٹھا ہی پڑھاتے تھے، ہم تو ڈیڑھ سو سال تک سب کچھ ایک ساتھ پڑھاتے رہے ہیں، فلکیات، سائنس، طب، ریاضی، تاریخ اور سوشیالوجی بھی پڑھاتے رہے ہیں اور اس کے ساتھ قرآن و سنت کی تعلیم بھی دیتے رہے ہیں، تو یہ تقسیم کس نے کی ہے؟ جنہوں نے پانچ سبجیکٹس نصاب سے نکالے تھے یہ انہوں نے کی ہے اور تب سے یہ تقسیم چلی آ رہی ہے۔

الحمد للہ یہ مدارس جو آج پورے جنوبی ایشیا میں تعلیمی سال کا آخری مہینہ گزار رہے ہیں، تقریبات اور اجتماعات ہو رہے ہیں، مختلف قسم کی سرگرمیاں جاری ہیں، ان مدارس نے ایثار، قربانی اور قناعت کے ساتھ یہ خدمت سرانجام دی ہے، ہم اللہ پاک کا شکر ادا کرتے ہیں، اللہ رب العزت نے اس قناعت کے ساتھ انہیں نوازا ہے، آپ کبھی تقابل کر کے دیکھیں کسی مدرسے کے مدرس، مسجد کے امام اور دارالافتاء کے مفتی کی تنخواہ کا اپنے کسی سرکاری افسر اور ملازم کے ساتھ، اِن کو کیا ملتا ہے اور اُن کو کیا ملتا ہے، میں تقابل کرتا نہیں ہوں، صرف سمجھانے کیلئے بات کر رہا ہوں، یہ سب قناعت، قربانی، ایثار، خلوص اور محنت کا نتیجہ ہے، پرانے لوگوں کو یاد ہو گا، یہ مدرسہ نصرۃ العلوم ۱۹۵۲ء میں شروع ہوا تھا، حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتیؒ ہمارے چچا محترم تھے، استاذ اور مربی بھی تھے، اللہ پاک ان کے درجات بلند سے بلند تر فرمائے، ان کے ساتھ کچھ رفقاء تھے، میں کسی وقت بات سمجھانے کیلئے عرض کیا کرتا ہوں، حضرت والد صاحبؒ گکھڑ تشریف لائے تھے ۱۹۴۳ء میں، گکھڑ کی مسجد میں بیٹھ گئے، سن ۴۳ء سے سن ۵۲ء تک دس سال، وہ اسی طرز کا مدرسہ تھا، مدرسہ کیا ہوتا تھا، ایک عالم دین کسی مسجد میں بیٹھتا تھا، اس کی علمی فضیلت یا امتیاز دیکھ کر طلبہ اکٹھے ہو جاتے تھے، کوئی نحو کا ماہر ہے تو نحو والے اکٹھے ہو گئے، کوئی فقہ کا ماہر ہے تو فقہ والے اکٹھے ہو گئے، کوئی

حدیث کا ماہر ہے تو حدیث والے اکٹھے ہو گئے، کوئی نظم نہیں ہوتا تھا، طلبہ اکٹھے ہو جاتے تھے، پندرہ، بیس، تیس، چالیس حسب موقع، محلے والے روٹی دے دیتے تھے، مسجد میں طلبہ سوتے تھے اور استاذ پڑھاتے تھے، یہ مدرسہ تھا۔ طلبہ استاذ کا ذوق دیکھ کر اکٹھے ہو جاتے تھے کہ یہ فلاں فن میں ماہر ہیں، اس زمانے میں والد صاحب کا ذوق زیادہ نحو کا تھا، نہ کوئی داخلہ ہوتا تھا، نہ کوئی خارجہ ہوتا تھا، نہ کوئی امتحان ہوتا تھا، نہ کوئی باقاعدہ نظم ہوتا تھا، فن سیکھنے کیلئے آ جاتے تھے، محلے والے روٹی دے دیتے تھے، مسجد میں سو جاتے تھے، استاذ پڑھاتے تھے، نہ کوئی تنخواہ ہوتی تھی، نہ کوئی سہولتیں ہوتی تھیں، کچھ بھی نہیں ہوتا تھا، مجھے یاد ہے وہ دور، دس سال حضرت والد محترمؒ نے گکھڑ کی مسجد میں اس ترتیب سے پڑھایا، ۱۹۴۳ء سے ۱۹۵۲ء تک، سن ۵۲ء میں نصرۃ العلوم بنا، صوفی صاحبؒ نے بنایا، پھر دونوں بھائیوں کا مشورہ ہوا، والد صاحب بھی یہاں آنا شروع ہو گئے، میں عرض کیا کرتا ہوں کہ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے دینی مدارس کو یہ برکت عطا فرمائی خلوص اور ایثار کی وجہ سے، کیا یہ علماء کرام جو آپ کے سامنے ہیں، یہ کریانے کی دوکان ہی کر لیتے تو کچھ کما لیتے یا نہ کما لیتے؟ ریڑھی لگا لیتے، ریڑھی لگانے سے ان کو دنیا کے اسباب کے لحاظ سے اس سے زیادہ ملنا تھا، لیکن میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ کہ یہ تقسیم ہم نے نہیں کی، حاشا وکلا، تقسیم ہم پر مسلط کی گئی ہے، تقسیم ہم پر ٹھونسی گئی ہے، اچھا چلیں تقسیم ہو گئی، ہم نے قبول کر لی کہ ٹھیک ہے یار، ہم اپنا کام کرتے ہیں تم اپنا کام کرو، اس سے بھی انکار نہیں، اس نظام تعلیم کی بنیاد تھی کہ مسلمان ملازمتوں میں جائیں، ڈیموکریسی میں جائیں، ٹھیک ہے ہمیں کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن اِس تعلیم کی بنیاد کیا تھی؟ کہ مسجد آباد رہے، مدرسہ آباد رہے، حافظ، قاری، خطیب، مفتی اور مولوی مہیا ہوتے رہیں، وہ اپنا کام کرتے رہیں اور ہم اپنا کام کرتے رہیں۔

اگلی بات! پاکستان بن گیا، پاکستان کس مقصد سے بنا تھا؟ پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ۔ پاکستان بننے کے بعد دونوں نصابوں کو اکٹھا ہونا چاہئے تھا یا نہیں؟ تقسیم کس نے کی تھی؟ انگریز نے۔ انگریز کے جانے کے بعد یہ تقسیم باقی رہنی چاہئے تھی یا ختم ہو جانی چاہئے تھی؟ کیا خیال ہے؟ یہ تقسیم کس نے ختم کرنی تھی؟ پاکستان بننے کے بعد یہ کالج اور مدرسے کی تقسیم ختم ہو جانی چاہئے تھی، لیکن کرنی کس نے تھی؟ کس کی ذمہ داری تھی؟ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ قدس اللہ سرہ العزیز، پاکستان کی تحریک کے بڑے راہنماؤں میں سے تھے، تحریک پاکستان کے قائدین میں سے تھے، وہ فرماتے ہیں کہ میں پاکستان بننے کے بعد پانچ سال انتظار کرتا رہا اور کوشش بھی کرتا رہا کہ جو انگریزوں نے تقسیم کی تھی وہ ختم کرو۔ یہ تقسیم کیسے ختم ہونی تھی؟ وہ پانچ مضامین جو انگریزوں نے

نصاب سے نکال دیے تھے، وہ واپس آنے تھے تو ختم ہونی تھی نا، میری بات سمجھ آ رہی ہے؟ پانچ سبجیکٹس جو انگریزوں نے نصاب سے نکالے تھے، میں پھر دہراتا ہوں، قرآن پاک، حدیث، فقہ، عربی، فارسی، چلو فارسی پر ہم سمجھوتا کر لیتے، زبان نئی قبول کر لیتے، پہلے بھی ہم نے فارسی نئی زبان کے طور پر ہی قبول کی تھی، لیکن باقی چار مضامین نصاب میں واپس آنے تھے تو تقسیم ختم ہونی تھی، یہ چار سبجیکٹس نصاب میں واپس آئے بغیر تقسیم کیسے ختم ہو جانی تھی؟ چنانچہ وہ تقسیم چلتی رہی، ہمارا ریاستی نظام تعلیم، بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ آج تک ان چار سبجیکٹس کو جن کو انگریز نے نکالا تھا، اپنے نصاب کا حصہ بنانے کیلئے تیار نہیں ہیں، اور نہ ہی یہ پڑھائے جاتے ہیں۔

بلکہ ایک بات اور شامل کرنا چاہوں گا، ایک فارمولہ آیا تھا، جس کا ہم نے تجربہ کیا تھا، مگر وہ ناکام ہو گیا، کیوں ناکام ہوا تھا یہ بھی عرض کرتا ہوں، ایوب خان مرحوم کے زمانے میں ہمارے حکمرانوں نے ایک فارمولہ دیا کہ دونوں نصابوں کو اکٹھا کرتے ہیں، جس طرح دونوں نصاب ۱۸۵۷ء سے پہلے اکٹھے تھے، اب ہم پھر انہیں اکٹھا کریں گے، ہم نے انکار نہیں کیا، ہم شریک ہوئے، چار پانچ جگہ تجربہ کیا گیا، سب کو دعوت دیتا ہوں، بہاولپور جائیں جا کر اسلامی یونیورسٹی کو دیکھیں، ایک تجربہ وہاں کیا گیا، بہاولپور کی اسلامی یونیورسٹی پہلے مدرسہ تھا جامعہ عباسیہ کے نام سے، ۱۹۶۲ء سے پہلے اس کا نام جامعہ عباسیہ تھا، یہ ریاست بہاولپور کا سب سے بڑا دینی مدرسہ تھا، اسے نصرۃ العلوم کی طرح ہی سمجھ لیں، یہ تجربہ کیا گیا کہ جامعہ عباسیہ کو جامعہ اسلامیہ کا نام دے کر اسلامی یونیورسٹی کا ٹائٹل اور گریڈ دے دیا جائے، ایوب خان مرحوم نے ایسا کیا، یہ کہا گیا کہ یہاں دونوں نصاب اکٹھے پڑھائے جائیں گے، ہم نے کہا ٹھیک ہے، اکٹھے کر دیے گئے، یہ طے ہوا کہ تمام مکاتب فکر کے قابل علماء یہاں بیٹھ کر تعلیم دیں گے، چنانچہ انہوں نے پڑھایا۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانیؒ کو آپ جانتے ہوں گے، ایک موقع پر یہاں نصرۃ العلوم میں بھی تشریف لائے تھے ختم بخاری پر، ریاست قلات کے وزیر تعلیم تھے، وزارت چھوڑی اور ادھر آ کر بیٹھ گئے، تاکہ دونوں نصاب اکٹھے ہوں، بریلوی مکتب فکر کے بہت بڑے عالم حضرت مولانا سعید احمد کاظمیؒ، انہوں نے ملتان میں اپنا مدرسہ چھوڑا اور بہاولپور آ کر بیٹھ گئے، اہل حدیث مکتب فکر کے بہت بڑے عالم تھے حضرت مولانا عبد الغفار حسنؒ، انہوں نے بھی اپنا مدرسہ چھوڑا اور بہاولپور میں آ کر بیٹھ گئے، کراچی سے حضرت مولانا عبد الرشید نعمانی نے اپنا مدرسہ چھوڑا اور یہاں آ کر بیٹھ گئے، ہم نے کہا ٹھیک ہے، اکٹھا کرتے ہیں، یہ میں اس لیے بتا رہا ہوں کہ ہم نے انکار نہیں کیا، ہم ساتھ شریک ہوئے کہ ٹھیک ہے اکٹھا کرتے، ۱۹۶۲ء سے چند سال تک جامعہ اسلامیہ اسلامی یونیورسٹی

بہاولپور کی کیفیت یہ تھی کہ سارا نصاب اکٹھا پڑھایا جاتا تھا، پروفیسر صاحبان بھی تھے، مولانا صاحبان بھی تھے اور دونوں نصاب تھے، کافیہ بھی پڑھایا جاتا تھا اور انگریزی بھی پڑھائی جاتی تھی، لیکن اس کے بعد ایک ایک کرکے ہر شے نکال دی گئی، آپ جا کر دیکھ لیں، ایک سبجیکٹ بھی درس نظامی کا اس میں نہیں رہا، یہ تجربہ صرف جامعہ عباسیہ میں نہیں بلکہ اور بھی کئی جگہ ہوا، یہ میں نے صرف ایک مثال دی ہے اور یہ مثال اس لیے بھی دی ہے کہ ابھی دو ہفتے پہلے میں اسلامی یونیورسٹی بہاولپور میں ہو کر آیا ہوں، چند روز قبل اسلامی یونیورسٹی بہاولپور کا سیمینار تھا، آج اس کی رپورٹ چھپی ہے، روزنامہ اسلام اور روزنامہ اوصاف میں آپ بھی پڑھ سکتے ہیں۔

وہاں کے وائس چانسلر صاحب محترم ہمارے دوست ہیں، ملک کی معروف شخصیت حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن صاحب وہاں مہمان خصوصی تھے اور میں لیکچرر تھا، میں نے اس سیمینار میں عرض کیا، وائس چانسلر جناب! یہ اسلامی یونیورسٹی نہیں جامعہ عباسیہ ہے، ان کے سامنے میں نے کہا کہ حضرت یہ جامعہ عباسیہ ہے، دینی مدرسہ ہے، اس کو آپ نے یونیورسٹی کا ٹائٹل دیا، ملک بھر سے علماء لا کر بٹھائے، انہیں بٹھا کر تعلیم اکٹھی کی، چند سال میں ایک ایک کرکے درس نظامی کے سارے مضامین نکال دیے گئے، میں نے کہا ہم آپ سے یہ سوال کر رہے ہیں کہ آپ جب دونوں نصابوں کو اکٹھا کرنے کا مرکز بن گئے تھے تو پھر یہ دونوں نصابوں کی تقسیم کس نے کی؟ ہم تو ساتھ بیٹھے تھے، ہم نے تو اپنے مدرسے چھوڑے اور وہاں پر آئے، میں نے وہاں سوال کیا، وائس چانسلر صاحب سے درخواست کی، مفتی منیب الرحمٰن صاحب بھی تھے، میں نے کہا اب بھی ۱۹۶۲ء کی پوزیشن پر چلے جاؤ، واللہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، ۱۹۶۲ء سے ۱۹۷۰ء تک والی اسلامی یونیورسٹی کی پوزیشن پر آ جاؤ، ہم پہلے بھی تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی ساتھ ہیں۔

لیکن یہ نہیں ہوگا کہ نصاب اکٹھا کرو مگر اس طرح کہ تم ہمارے مضامین کو تو شامل کرنے کیلئے تیار نہیں ہو، جبکہ ہم نے میٹرک تک پابندی قبول کر لی ہے، مدارس میں میٹرک تک پابندی ہے کہ نہیں؟ ہم خود پڑھاتے ہیں، دنیا بھر میں بیسک ایجوکیشن کیا ہوتی ہے؟ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ، اس کے بعد تو سارے الگ الگ ہوتے ہیں، وہاں بھی الگ ہو جاتے ہیں، ڈاکٹر الگ ہو جاتا ہے، انجینئر الگ ہو جاتا ہے، وکیل الگ ہو جاتا ہے، سائنسدان الگ ہو جاتا ہے، کیا وہاں سب کو اکٹھا پڑھاتے ہو؟ میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کے بعد آج کے کالجوں میں بھی سارے اکٹھے پڑھائے جاتے ہیں یا الگ الگ؟ کوئی سائنسدان بنتا ہے، کوئی ڈاکٹر بنتا ہے، کوئی وکیل بنتا ہے، الغرض! ملک بھر کے

دینی مدارس تو میٹرک تک پابندی قبول کر چکے، لیکن آپ قرآن پاک ترجمے کے ساتھ پڑھانے کی پابندی قبول نہیں کر رہے، باقی سبجیکٹس تو اپنی جگہ ہیں، نہ تم عربی پڑھانے کو تیار ہو، نہ قرآن پڑھانے کو تیار ہو، نہ حدیث پڑھانے کو تیار ہو، نہ فقہ پڑھانے کو تیار ہو، یہ کونسا نصاب اکٹھا ہو رہا ہے؟

کیا آپ دوستوں کو میرا مقدمہ سمجھ میں آ رہا ہے؟ میں کیس پیش کر رہا ہوں قوم کے سامنے، میں الحمد للہ پچاس سال سے اسی تعلیم سے وابستہ ہوں، اپنا کیس پیش کر رہا ہوں کہ بھئی تم تو نہ قرآن کو، نہ حدیث کو، نہ فقہ کو، نہ عربی کو، ان میں سے کسی ایک مضمون کو بھی تم بطور سبجیکٹ کے لینے کیلئے تیار نہیں، ۱۸۵۷ء سے پہلے کی طرح ایک مضمون بھی تم شامل کرنے کو تیار نہیں ہو، ہم تو میٹرک تک پابندی قبول کر چکے، اب کیا کہتے ہو؟ اسلام آباد میں ایک میٹنگ تھی، میں نے کہا جس دن آپ یہ سبجیکٹ شامل کر لیں گے، پھر ڈو مور کا مطالبہ ہم سے کرنا، اکٹھے تم بھی تو کرو نا، یہ ون وے ٹریفک نہیں چلے گی، نہ چلی ہے نہ چلے گی، تم نے ایک تجربہ کر کے ہمیں پھسلانا اور ڈی ٹریک کرنا چاہا تھا، ہم نہیں ہوئے، سن ۱۹۶۲ء کا تجربہ ہمیں ڈی ٹریک کرنے کیلئے تھا، میں یہ بات بالکل دو ٹوک عرض کرتا ہوں، ۱۹۶۲ء میں بیسیوں مدرسے لیے گئے تھے کہ اکٹھا نصاب پڑھائیں گے اور سرکاری انتظام میں پڑھائیں گے، یہ ہمیں ڈی ٹریک کرنے کیلئے تھا، ہم ڈی ٹریک نہیں ہوئے، آج بھی نہیں ہو رہے اور کبھی نہیں ہوں گے، بھئی اکٹھا کرنا ہے تو ۱۸۵۷ء سے پہلے کی پوزیشن پر آ جاؤ، جب سب کچھ اکٹھا تھا تو سب کچھ اکٹھا کرو نا یار، ون وے ٹریفک نہیں چلے گی، لا یلدغ المؤمن من جحر واحد مرتين، کوئی مسلمان ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈسا جاتا، ہم اپنے مقام پر کھڑے ہیں اور کب تک کھڑے ہیں؟ جب تک ہمارا ریاستی نظام تعلیم قرآن پاک، حدیث، فقہ اور عربی کو بطور سبجیکٹ کے واپس لے کر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی پوزیشن پر جانے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور اس کی گارنٹی نہیں دیتا، ہم تم سے لیتے کیا ہیں، تم سے مانگتے کیا ہیں، بجٹ سارا تم کھا جاتے ہو، ہمیں تم تو دیتے ہو لیکن ہم نہیں لیتے، نہ ہی لیں گے، ہمیں اپنے ان بھائیوں کے صدقات وعطیات کافی ہیں، اسی پر گزارہ کریں گے، اور الحمد للہ بہت اچھا گزارہ کر رہے ہیں، لیکن اپنے ٹریک سے نہیں ہٹیں گے، ہمیں ڈی ٹریک کرنے کی کوششیں بہت ہوئی ہیں، آئندہ بھی ہوں گی، اس وقت بھی ہو رہی ہیں، میں یہ بات نصرۃ العلوم میں بیٹھ کر کہہ رہا ہوں، یہاں کا میں بھی ایک خادم ہوں، اپنے بزرگوں کی مسند پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں، حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ اور حضرت مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ کی مسند پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ ہم ڈی ٹریک نہیں ہوں گے ان شاء اللہ، ہم یہی کریں گے، البتہ تمہیں ڈی ٹریک ہونا پڑے گا،

تمہیں اپنا رویہ بدلنا پڑے گا۔

بہرحال میں نے دو باتیں عرض کی ہیں، ایک یہ کہ یہ تقسیم جو موجود ہے، کس نے کی ہے، ہم نے نہیں کی، اور اب رکاوٹ کون ہے،؟ ہم رکاوٹ نہیں ہیں، دونوں مضامین اور نظاموں کو اکٹھا کرنے میں ہم رکاوٹ نہیں ہیں، بشرطیکہ نصاب اکٹھے ہوں۔ ایک بات اور کروں گا۔ آج کا فارمولہ کیا ہے، نصاب اکٹھا کرلو، مگر کس طرح؟ یہ مضامین سارے نکال دو اور وہ سارے لے لو تو اکٹھا ہو جائے گا، میں اس کی مثال دیا کرتا ہوں، کہتے ہیں کہ امریکہ میں ایک ریسٹورنٹ پر بورڈ لگا ہوا تھا کہ اس ریسٹورنٹ میں اونٹ اور خرگوش کا گوشت مکس پکایا جاتا ہے، لوگ آتے تھے کہ اونٹ بھی کھائیں گے اور خرگوش بھی کھائیں گے، ایک دن ہمارے جیسا کوئی آدمی چلا گیا، کاؤنٹر پر پوچھا کہ جناب اونٹ بھی پکاتے ہیں اور خرگوش بھی پکاتے ہیں اکٹھا؟ جی، فارمولا کیا ہے؟ برابر برابر، کیسے؟ ایک اونٹ اور ایک خرگوش۔ میں اسٹیبلشمنٹ سے کہنا چاہ رہا ہوں، باوردی اور بے وردی سب سے، یہ فارمولہ نہیں چلے گا، ہم اپنا کام کرتے رہیں گے، ان شاءاللہ العزیز، تمام مشکلات، تمام تر کردارکشی اور تمام تر طعنوں کے باوجود کرتے رہیں گے، مدرسہ اسی طرح رہے گا، ان شاءاللہ تعالیٰ۔

[خطاب] مولانا محمد فیاض خان سواتی
[ضبط وترتیب] محمد حذیفہ خان سواتی

حضرت سلیمان بن داؤدؑ کی دو دُعاؤں اور ایک آرزو کا ذکر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، خُصُوْصاً عَلٰی سَیِّدِ الرُّسُلِ وَخَاتَمِ الْاَنْبِیَآءِ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ نُجُوْمِ الْھُدٰی، اَمَّا بَعْدُ، فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

فَتَبَسَّمَ ضَاحِکًا مِّنْ قَوْلِھَا وَقَالَ رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ الصّٰلِحِیْنَ○

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ، وَبَلَّغَنَا رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ، وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ لَمِنَ الشّٰھِدِیْنَ وَالشّٰکِرِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ۔

محترم حاضرین و برادران اسلام وخواتین محترمات!

تذکرۂ داؤدؑ و سلیمانؑ

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم انیسویں پارہ میں سے ’’سورۃ النمل‘‘ کی آیت نمبر ۱۹ تلاوت کی ہے، اس آیت مبارکہ میں حضرت سلیمانؑ کی ایک آرزو اور دو دعاؤں کا ذکر ہے، آج میں آپ کے سامنے انہی کا ذکر کرنا چاہوں گا، سب سے پہلے تلاوت کردہ آیت کا ترجمہ ومفہوم آپ کی خدمت میں عرض کیا جاتا ہے۔

حضرت سلیمانؑ حضرت داؤدؑ کے بیٹے تھے اور حضرت داؤدؑ کے انیس بیٹوں میں سے سب سے چھوٹے بیٹے تھے، حضرت داؤدؑ کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے صاحب کتاب نبی بنایا، ان کو زبور اور بہت سے معجزات عطا کیے، جن میں سے بعض قرآن کریم اور احادیث مبارکہ میں بھی موجود ہیں، ان کو خوش الحانی عطا فرمائی، وہ زبور پڑھتے تھے اور یہ معجزہ بھی عطا فرمایا تھا کہ وہ خادم کو حکم دیتے کہ میرے گھوڑے پر زین کسے اور زبور کی تلاوت شروع کر دیتے، جب

تک ان کا خادم گھوڑے پر زین کستا، اتنی دیر میں وہ زبور کی تلاوت فرما لیتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اُن کو یہ معجزہ عطا ہوا تھا، اُن کے ہاتھ میں لوہا آتا تو موم ہو جاتا، اُس کی زرہیں بناتے، لوہے کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیتے، اللہ نے اُن کو خلیفہ بنایا، نبوت کے ساتھ ساتھ نظامِ حکومت اور سیاست چلانا بھی اُن کیلئے ضروری قرار دیا، قرآن نے کہا ہے یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَةً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ۔(صٓ۔۲٦)تو وہ نبی بھی تھے، بادشاہ اور حکمران بھی تھے، جو طرزِ حکمرانی اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو سمجھایا، خود قرآن اور احادیث میں موجود ہے، بڑے جلیل القدر پیغمبر تھے، اُن کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انیس بیٹوں سے نوازا تھا، جن میں سب سے چھوٹے حضرت سلیمانؑ تھے۔

حضرت داوٗدؑ بہت ہی غیرت مند تھے، حد سے زیادہ، جب وہ اپنے گھر سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو گھر کے باہر دروازے پر تالا لگا کر جاتے تھے تاکہ کوئی غیر آدمی گھر میں داخل نہ ہو، حتیٰ کہ جب اُن کی موت کا وقت قریب آیا تو وہ اسی طرح گھر میں تالا لگا کر باہر گئے ہوئے تھے، واپس تشریف لائے تو دیکھا کہ گھر کے صحن میں ایک آدمی کھڑا ہے، یہ دیکھ کر وہ بڑے حیران ہوئے کہ میں تو باہر تالا لگا کر گیا تھا، اُن کی اہلیہ بھی اُس آدمی کو دیکھ کر بڑی پریشان ہوئی کہ باہر تو تالا لگا ہوا ہے، یہ شخص اندر کیسے آ گیا ہے، حضرت داوٗدؑ نے اُس آدمی سے پوچھا کہ تُو کون ہے؟ اور یہاں کیسے آیا ہے، گھر کے اندر کیسے داخل ہو گیا ہے، اُس نے کہا کہ میں وہ ہوں کہ جو کسی بادشاہ سے نہیں ڈرتا اور کسی جگہ داخل ہونے میں مجھے رکاوٹ اور پابندی نہیں ہے، میں جہاں چاہوں داخل ہو جاتا ہوں، کسی بڑے چھوٹے سے نہیں ڈرتا، اُس نے جب یہ بات کی تو حضرت داوٗدؑ سمجھ گئے، انہوں نے کہا مرحبا، خوش آمدید، تم ملک الموت ہو سکتے ہو، بامر اللہ آئے ہو، اللہ کے حکم کے ساتھ، چنانچہ حضرت داوٗدؑ وہاں لیٹ گئے اور اُن کی روح قبض کر لی گئی۔

حضرت داوٗدؑ کی وفات سے پہلے اُن کی خلافت و نیابت کا مسئلہ پیدا ہوا کہ اِن کا نائب اور اِن کی جگہ بادشاہ اور خلیفہ کون ہونا چاہئے، اس وقت حضرت سلیمانؑ کی عمر صرف بارہ یا تیرہ سال تھی جس وقت حضرت داوٗدؑ کی وفات ہوئی، ایک باپ کی نظر میں ساری اولاد برابر ہوتی ہے، لیکن بسا اوقات بعض میں صلاحیت زیادہ ہوتی ہے اور بعض میں تعلیم زیادہ ہوتی ہے، حضرت داوٗدؑ کے جو وزراء تھے، انہوں نے مشورہ دیا کہ آپ کسی کو اپنا خلیفہ نامزد کر دیں اور اپنے بعد کسی کو جانشین بنا دیں، وہ اسی سوچ میں تھے کہ میں کس کو بناؤں، انیس بیٹے ہیں، اسی دوران اللہ تبارک

وتعالیٰ نے ایک فرشتے کو بھیجا، فرشتہ ایک خط لایا جو بند تھا، اس میں ایک پیپر تھا، حضرت داؤدؑ کو یہ وحی کی گئی کہ یہ خط جو آپ کے پاس پہنچا ہے، اسے اپنے بیٹوں کو دے دیں، اس خط میں جو سوالات ہیں، جس بیٹے نے اُن سوالوں کے جوابات صحیح دیے وہی آپ کا نائب اور جانشین ہوگا، چنانچہ حضرت داؤدؑ نے وہ خط اپنے بیٹوں کو دے دیا، اُس میں نو سوالات تھے، یہ ایک علیحدہ مستقل موضوع ہے، پھر کسی وقت بیان کروں گا، ابھی اس کا موقع نہیں ہے، مختصر یہ کہ آپؑ کے انیس بیٹوں میں سے حضرت سلیمانؑ نے اُن کے صحیح جوابات دے دیے، اس وقت ان کی عمر بارہ یا تیرہ سال تھی، مشکل سوال تھے، چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طریقے سے ان کی نیابت وخلافت اور جانشینی کا مسئلہ حل فرمایا، تو حضرت سلیمانؑ ان کے نائب ہو گئے۔

دونوں باپ بیٹا نبی ہیں، حضرت داؤدؑ صاحبِ کتاب نبی ہیں، جن کو زبور عطا کی گئی اور حضرت سلیمانؑ بھی نبی ہیں، ان کو ساتھ حکومت بھی عطا کی گئی، ایسی حکومت کہ جیسی نہ اُن سے پہلے کسی کو عطا کی گئی اور نہ ان کے بعد کسی کو عطا کی جائے گی، کیونکہ انہوں نے خود دعا فرمائی تھی، جو اللہ نے قبول فرمائی، قرآن میں موجود ہے رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَهَبْ لِیْ مُلْكًا لَّا یَنْۢبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِیْ، اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔ (صٓ۔۳۵) اے میرے رب مجھے بخش دے اور مجھے ایسی حکومت عطا فرما جو میرے بعد کسی کے لیے مناسب نہ ہو، بے شک تو بہت ہی عطاء کرنے والا ہے۔ چنانچہ اُن کو حکومت عطا ہوئی، دوسرے انسان بھی حکومت کرتے ہیں، لیکن اُن کی حکومت ہواؤں پر بھی تھی، جنات پر بھی تھی، تمام چرند اور پرند اُن کے ماتحت تھے، وہ پرندوں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے، جانوروں کی بولیاں بھی سمجھتے تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کے لیے ہوا کو بھی مسخر کر رکھا تھا۔

حضرت سلیمانؑ کا دور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے کا ہے، ۹۹۰ قبل مسیح میں آپ کی ولادت ہوئی ہے، یعنی عیسیٰؑ سے ۹۹۰ سال پہلے، جبکہ ۹۳۲ قبل مسیح میں آپ کی وفات ہوئی ہے، یعنی عیسیٰؑ سے ۹۳۲ سال پہلے۔ یہ آپ کا دور ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو بہت نوازا تھا، اس کی بڑی تفصیلات ہیں، میں ان کی طرف نہیں جانا چاہتا۔

سردست صرف یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمانؑ جب اپنے لشکر کے ساتھ کسی طرف جا رہے تھے، اُن کو چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جانوروں اور حشرات الارض کی بولیاں بولنے اور سمجھنے کی قدرت عطا فرمائی تھی، تو جاتے ہوئے انہوں نے ایک چیونٹی کی گفتگو سنی، ایک چیونٹی دوسری چیونٹیوں سے کہہ رہی تھی یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰكِنَكُمْ ، لَا یَحْطِمَنَّكُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ ، وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ۔

(النمل ـ ۱۸) اے چیونٹیو! تم سب اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں سلیمانؑ اور اُن کا لشکر تمہیں روند نہ ڈالے اور انہیں پتہ ہی نہ چلے۔ لشکر ہے، لشکر جب گھوڑوں پر جاتا ہے تو چیونٹیوں کا کہاں امتیاز ہوتا ہے، لہٰذا تم سب اپنے اپنے بلوں میں داخل ہو جاؤ۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتے ہیں، جو آیت مبارکہ میں نے تلاوت کی فَتَبَسَّمَ ضَاحِكًا مِّنْ قَوْلِهَا سلیمانؑ اس چیونٹی کی اس گفتگو کو سُن کر مسکرائے۔

مسکرانے کی تین صورتیں اور انبیاءؑ کا خاصہ

یہاں ایک مسئلہ بھی عرض کر دوں کہ انبیاء اور رُسل انسان ہی ہوتے ہیں، جیسے تمام انسانوں میں رونا، مسکرانا، خوشی اور غمی کے جذبات ہوتے ہیں، اسی طرح انبیاء کے ساتھ بھی ہوتے ہیں، تو حضرت سلیمانؑ اس موقع پر مسکرائے، جناب رسول اللہؐ بھی اکثر مسکراتے تھے، مسکرانے کی تین صورتیں ہوتی ہیں، ایک یہ ہے کہ مسکرائے اور اس میں کوئی آواز وغیرہ نہیں نکلتی، صرف چہرے سے ظاہر ہوتا ہے، اس کو تبسم کہتے ہیں، ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ مسکرائے اور ساتھ منہ سے کچھ تھوڑی سی آواز نکلے، جس کو یہ خود سن لے، اس کو ضحک کہتے ہیں، یعنی ہنسنا، ایک تیسری صورت ہوتی ہے، جس کو قہقہہ کہتے ہیں کہ بلند آواز سے ہنسے اور سارے لوگ سنیں، حضور نبی اکرمؐ سے تبسم اور ضحک دونوں ثابت ہیں قہقہہ ثابت نہیں ہے، آپ نے قہقہہ نہیں لگایا کہ اتنی آواز سے ہنسیں کہ سارے لوگ سنیں، گو یہ مباح ہے کہ کسی موقع پر بے اختیار ہو جاتا ہے، لیکن انبیاء کو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے بھی محفوظ رکھتا ہے، تبسم اور ضحک تو وہ فرماتے ہیں، لیکن قہقہہ نہیں لگاتے۔ یہاں بھی حضرت سلیمانؑ مسکرائے اور تبسم فرمایا، جسے ہم کہتے ہیں زیرِ لب مسکرانا، اس کی بات کو سمجھ کر۔

حضرت سلیمانؑ کی دو بیش قیمت دعائیں اور ایک آرزو

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو بہت بڑی نعمت عطا فرمائی تھی، جو ان سے پہلے کسی کو نہیں ملی اور ان کے بعد بھی کسی کو نہیں ملی، پرندوں پر ان کی حکومت تھی، جنوں پر ان کی حکومت تھی، دیگر ساری چیزیں شجر وحجر، پہاڑ، سب ان کے حکم کی تابعداری کرتے تھے، یہ بہت بڑی نعمت ہے، تو حضرت سلیمانؑ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک آنے والے لوگوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملے تو اس پر اترانا اور تکبر نہیں کرنا چاہئے، بلکہ اُس کا طریقہ کار یہ ہے کہ اللہ کا شکر یہ ادا کیا جائے، انسان تو ایک فانی چیز ہے، اس نے

ختم ہو جانا ہے، یہ جتنی بھی نعمتیں ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے ہیں، اسی وجہ سے حضرت داؤدؑ کی آل بھی یہی حکم ہوا تھا، قرآن کریم میں موجود ہے، اِعْمَلُوْٓا آلَ دَاوٗدَ شُكْرًا وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ۔ (سباء۔۱۳) اے آل داؤد! تم شکر ادا کرو، میرے بندوں میں شکر گزار تھوڑے ہیں۔ خدا نعمت دیتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنے ہنر اور اپنے مال اور اپنی کوشش سے کما لیا، یہ ذیلی چیزیں ہیں، حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ نے عطا کر دیا ہے، اگر اللہ ہی عطا نہ کرتا تو آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بہت سے پڑھے لکھے لوگ در بدر ٹھوکریں کھا رہے ہیں، روزی روٹی نہیں کما سکتے، بڑے بڑے مالدار ہیں، مال ہے گنا نہیں جا سکتا، لیکن خود کھا نہیں سکتے، بس پڑا ہوا ہے، گھوم نہیں سکتے، گاڑی پر سواری نہیں کر سکتے، سب کچھ موجود ہے، غرضیکہ یہ خدا کا شکر ہوتا ہے کہ وہ نعمت دیتا ہے تو اس نعمت کا اگر شکر ادا کیا جائے تو وہ بڑھتا بھی ہے، اس کا اصول بھی قرآن میں موجود ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ (ابراہیم۔۷) اگر تم شکریہ ادا کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری اور انکار کیا تو میری پکڑ بھی بڑی سخت ہے۔

الغرض! یہاں حضرت سلیمانؑ نے اللہ کا شکریہ ادا کر کے بعد میں آنے والوں کو تعلیم دے دی ہے، پہلے تو چیونٹی کی بات پر مسکرائے، کیونکہ اُن کو سمجھ آ رہی تھی، باقی لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ اپنے ساتھیوں کو کیا کہہ رہی ہے فَقَالَ مسکرانے کے بعد حضرت سلیمانؑ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں یہ التجاء کی، رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما۔ قرآن پاک کی یہ آیت ایک بہت بڑے مسئلے کو حل کرتی ہے، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ انبیاء کی ذات مختار کل ہے، سب کچھ ان کے اختیار میں ہے، اس میں اس کی سراسر نفی ہے، اللہ فرما رہے ہیں اور نبی کی زبان سے فرما رہے ہیں، حضرت سلیمانؑ کہہ رہے ہیں پروردگار! تو مجھے توفیق عطا فرما، یہ نبی کا اپنا کام نہیں ہے، اللہ کی توفیق شامل حال ہو تو کام ہوتا ہے، رَبِّ اَوْزِعْنِيْٓ اے میرے رب مجھے توفیق عطا فرما، کس بات کی؟ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ کہ میں تیری اُس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تُو نے مجھے عطا کی ہے اور میرے والدین کو عطا کی ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی یاد رکھیں، جب نعمت ملے تو اپنی طرف سے بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے اور اپنے والدین کی طرف سے بھی شکریہ ادا کرنا چاہئے۔ عموماً یہ ہوتا ہے دنیا میں کہ نعمتیں زیادہ تر والدین کی طرف سے ملتی ہیں، بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے ہیں، ماں باپ نے وراثت چھوڑی، مال چھوڑا، جائیداد

چھوڑی تو اولاد کو مل جاتی ہے، جن کے والدین فوت ہو جاتے ہیں یا ان کے مال و جائیداد پر دوسرے قبضہ کر لیتے ہیں تو پھر اُن کو اپنی کوشش کرنی پڑتی ہے، تاہم عمومی بات یہ ہے کہ جہاں اپنا شکریہ اداء کرے وہاں اپنے والدین کی طرف سے بھی شکریہ اداء کرے، یہ حضرت سلیمانؑ کی تعلیمات میں سے ہے۔

حضرت سلیمانؑ کے والدین کے بارے میں، میں نے بتادیا کہ حضرت داوٗدؑ تو بنی اسرائیل کے اللہ کی طرف سے جلیل القدر پیغمبر ہیں، ان کو زبور کتاب ملی، ان کی والدہ بھی بہت پرہیزگار اور نیکوکارہ خاتون تھی، اُن کی اتنی فضیلت کیا کم ہے کہ حضرت داوٗدؑ کے لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو منتخب فرمادیا تھا، اُن کی خدمت کرتی تھی، باپردہ رہتی تھی، ان کے مزاج کے موافق تھی، تو ایک بات یہ ہوگئی کہ حضرت سلیمانؑ کی یہ ایک دعا ہے اور ہمارے لیے اس میں تعلیم ہے کہ جب اللہ نعمت دے تو اس نعمت کا شکریہ اپنی طرف سے بھی اور اپنے والدین کی طرف سے بھی پیش کرنا چاہئے، اترانا اور تکبر نہیں کرنا چاہئے، یہ نعمت کے زوال کے ذرائع ہیں۔

حضرت سلیمانؑ نے پروردگار کی بارگاہ میں دوسری درخواست یہ کی وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰهُ پروردگار مجھے یہ بھی توفیق عطا فرما کہ میں ایسے عمل کروں جس پر تُو راضی ہو جائے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا اصول ہے، جب خدا سے دعا کریں تو یہ توفیق مانگنی چاہئے ہر وقت کہ پروردگار ہمیں اعمال صالحہ کی توفیق نصیب فرما، کیونکہ اسی کی توفیق شامل حال ہوگی تو انسان نیک عمل کر سکے گا، اگر خدا کی توفیق شامل حال نہیں ہوگی تو آپ دنیا میں دیکھتے ہیں، اللہ نے سب نعمتیں دے رکھی ہیں، مال بھی ہے، دولت بھی ہے، حسن بھی ہے، گھر بھی ہے، تجارت بھی، حکومت بھی ہے، اقتدار بھی ہے، سب کچھ ہے، لیکن نہیں ہے تو نیک عمل نہیں ہے، اس وجہ سے ہر وقت خدا کی بارگاہ میں یہ دعا کرنی چاہئے کہ ہمیں اعمالِ صالحہ کی توفیق عطا فرما۔ حضرت سلیمانؑ کے ذریعے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے حضور نبی اکرمؐ پر قرآن کریم کو اتارنے کے ساتھ یہ اصول پکا کر دیا ہے، یہ تو دو دعائیں تھیں جو حضرت سلیمانؑ نے کیں، ایک نعمت کا شکریہ اپنی طرف سے اور اپنے والدین کی طرف سے اور دوسرا اعمالِ صالحہ کی اللہ سے توفیق کی دعا کرنا۔

تیسری بات حضرت سلیمانؑ نے اس موقع پر یہ فرمائی، یہ ایک بہت بڑا اصول ہے، جس کا تعلق اس دنیا سے بھی ہے اور آخرت کے ساتھ بھی ہے۔ حضرت سلیمانؑ نے اللہ کی بارگاہ میں تیسری درخواست اور آرزو یہ کی وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ۔ پروردگار مجھے اپنی رحمت کے ساتھ اپنے نیک بندوں میں

داخل کر دے۔ یعنی ان میں شامل فرما دے، حالانکہ انبیاء تو سب سے زیادہ نیک خود ہوتے ہیں، لیکن اللہ نے فرمایا کہ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (البقرۃ۔۲۵۳) ہم نے بعض رسولوں کو بعض پر فضیلت بخشی ہے، وہ بھی اپنے سے افضل کیلئے دعا فرماتے ہیں، ہم تو امتی ہیں، ہم سے افضل بہت سے لوگ ہیں، درجہ بدرجہ آگے چلتے چلے جائیں، صحابہ کرامؓ ہیں، پھر جناب رسول اللہؐ ہیں، اور باقی انبیاءؑ سارے ہیں، اس وجہ سے یہ دعا بھی ہر ایک کو کرنی چاہئے وَاَدْخِلْنِيْ بِرَحْمَتِكَ فِيْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِيْنَ۔ پروردگار اپنی رحمت کے ساتھ ہمیں اپنے نیک بندوں میں شامل فرمادے۔

یہ دعا تمام انبیاء کا اصول رہا ہے، حضرت ابراہیمؑ کی دعا انہی الفاظ کے ساتھ قرآن کریم میں موجود ہے، رَبِّ هَبْ لِيْ حُكْمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۔(الشعراء۔۸۳) اے میرے رب مجھے حکومت اور فیصلے کی قوت عطا فرما اور مجھے نیک لوگوں میں شامل فرما۔ حضرت یوسفؑ کی دعا بھی قرآن میں موجود ہے تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ۔ (یوسف۔۱۰۱) مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے۔ حضور نبی اکرمؐ بھی، جب آپ کی وفات کا وقت قریب ہوا تھا، اس وقت یہی دعا فرما رہے تھے اَللّٰهُمَّ اَلْحِقْنِيْ بِالرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى اے اللہ مجھے رفیق اعلٰی کے ساتھ ملا دے۔

اس دعا کے دو پہلو ہیں، اسی کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں جس میں ہمارے لیے بہت اہم سبق ہے، اس میں اچھی سوسائٹی کی تعلیم دی جا رہی ہے، انسان جب تک اس دنیا میں زندہ ہے اس کے اچھے لوگوں کے ساتھ تعلقات رہنے چاہئیں، اس کی سوسائٹی اچھی رہنی چاہئے، جب اس دنیا میں اس کی سوسائٹی اچھے لوگوں کے ساتھ رہے گی، اچھے لوگوں میں سب سے اچھے جناب رسول اللہؐ ہیں، پھر صحابہ کرامؓ ہیں پھر تابعینؒ ہیں، پھر تبع تابعینؒ ہیں، اس طرح درجہ بدرجہ، کیونکہ ہم امت محمدیہؐ میں سے ہیں، ہمارا سلسلہ یہاں تک ہے، باقی تمام انبیاء کے ساتھ عقیدت و محبت، ایمان وہ ایک الگ بات ہے، تو اس دنیا کی زندگی میں اگر ہم اچھے اور نیک لوگوں کے ساتھ اپنی سوسائٹی رکھیں گے، تو اس کا اصول جناب رسول اللہؐ نے خود اپنی زبان مبارک سے یہ ارشاد فرما دیا ہے کہ جو آدمی اِس دنیا میں کسی کے ساتھ محبت رکھے گا، بڑی طویل حدیث ہے، اس کا ایک جملہ عرض کرتا ہوں، آپ نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ آخرت میں بھی آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس کے ساتھ اس دنیا میں محبت رکھتا ہے۔ اپنی محبت کے پیمانے کو تولنا چاہئے کہ ہماری محبت کس کے ساتھ ہے، جناب رسول اللہؐ کے ساتھ ہے، صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہے، صلحاء

اور نیک لوگوں کے ساتھ ہے یا بدکار اور بُرے لوگوں کے ساتھ ہے، زانیوں اور دیگر برائیاں انجام دینے والوں کے ساتھ ہے، تو گویا اس دُعا کا تعلق اِس دنیا کے ساتھ بھی ہے اور آخرت کے ساتھ بھی ہے، بنیاد اس دنیا میں بنتی ہے کہ جب آدمی اچھے لوگوں کے ساتھ سوسائٹی کرے گا تو ظاہر بات ہے کہ یہاں نیکیاں کرے گا، نیکیاں کرے گا تو نامہء اعمال میں نیکیاں جمع ہوتی چلی جائیں گی، جب نیکیاں ہی نیکیاں جمع ہوتی چلی جائیں گی تو آخرت میں اس کا اجر ملے گا، اس کے مختلف پہلو جناب رسول اللہؐ نے اپنی تعلیمات میں فرمائے ہیں، مثلاً ایک موقع پر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا، قیامت والے دن سب سے زیادہ میرا قرب اس آدمی کو حاصل ہوگا جس کا اخلاق اچھا ہے، جنت میں اگر جناب رسول اللہؐ کا قرب بھی نصیب ہو جائے تو یہ بہت بڑی سعادت ہے، آدمی کے تو اپنے اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں کہ ہم نے کامیاب ہونا بھی ہے یا نہیں، اس وجہ سے اس دنیا میں اپنی محبت کا پیمانہ اور اپنی سوسائٹی کا معیار نیک لوگوں کے ساتھ رکھنا چاہیئے، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت سلیمانؑ کی اِن دعاؤں اور تمناؤں پر ہمیں بھی عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے۔

دعائیہ کلمات

محمد طیب صاحب کہہ رہے ہیں ایڈیشنل کمشنر کے پاس اپیل دائر کی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے معاملے میں آسانی پیدا فرمائے۔ عبداللہ صاحب کہہ رہے ہیں کہ میرا اللہ کے حضور جائز اور حلال مطالبہ ہے، دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہماری پریشانیوں کو دور فرمائے اور کامیابی نصیب فرمائے، محمد نعیم چوہدری صاحب گھنٹہ گھر والے کہہ رہے ہیں کہ چوہدری محمد شریف مرحوم چوہدری ٹینٹ سروس والے کی اہلیہ، محمد نعیم اور محمد یونس کی والدہ محترمہ رضائے الٰہی سے وفات پا گئی ہے، ان کیلئے دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی مغفرت اور درجات بلند فرمائے۔ نور فاطمہ صاحبہ کہہ رہی ہیں کہ بخار کی وجہ سے بیمار ہوں، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے، ان کے علاوہ جتنے مسلمان مرد عورتیں بچے بوڑھے جس جس قسم کی بیماری اور تکلیف میں مبتلا ہیں، اللہ سب کو صحت کاملہ وعاجلہ نصیب فرمائے۔

اسی ہفتے میں ہمارے جامعہ نصرۃ العلوم کے ایک پرانے فاضل تھے، حضرت مولانا عبد العزیز عزیزی صاحب، قصور میں ان کا بڑا مدرسہ بھی ہے، وفات پا گئے ہیں، یہیں پڑھتے تھے، ہر سال سالانہ امتحان میں بھی میں تشریف لاتے تھے، بخاری شریف کا امتحان لیتے تھے، بڑے نیک وصالح آدمی تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی

بخشش ومغفرت فرمائے، خدمات کو قبول فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔

لاہور میں اہل حدیث مسلک کے ایک بڑے قاری محمد ادریس عاصم، ان کے گھر میں بجلی کا حادثہ ہوا ہے، اس کے ساتھ ان کا جسم جل گیا تھا، کل ان کی بھی وفات ہوگئی ہے، وہ بھی یہاں تشریف لایا کرتے تھے، بڑے اخلاق والے آدمی تھے، اُن کیلئے بھی دعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے۔ اور بھی جتنے مسلمان مرد، عورتیں، بچے، بوڑھے وفات پا چکے ہیں، اللہ سب کی بخشش و مغفرت فرمائے، ہم سب کو دین حق کی صحیح سمجھ نصیب فرمائے، اس پر عمل کرنے کی توفیق نصیب فرمائے اور ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَن لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ۔

(تاریخ خطبہ جمعۃ المبارک: ۱۸، فروری ۲۰۲۲ء)

> ''قرآن وسنت کیوں لازم وملزوم ہیں؟ حضرت علیؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج کے پاس مذاکرات کیلئے بھیجتے ہوئے فرمایا کہ قرآن سے (براہ راست) استدلال نہ کرنا کیونکہ اسکے الفاظ میں مختلف معانی کا احتمال ہوتا ہے، سنتِ رسولؐ کی بنیاد پر بات کرنا وہ اس سے فرار کا راستہ نہیں پائیں گے۔'' (مولانا زاہد الراشدی)

محمد نعمان بن خلیل اللہ
متخصص فی علوم الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا فقہی مقام

اسلامی تعلیمات کے اصولی مآخذ قرآن کریم، اور حدیث شریف کو بعینہٖ مکمل امانت داری کے ساتھ آنے والی نسلوں تک پہنچانے کا نام روایت ہے، اور ان مآخذ میں سموئے ہوئے موتی، اور جواہرات کو نکالنے، مقصدِ کلام الٰہی (عزوجل)، اور مرادِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کامل ادراک کو فقاہت کہتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جس طرح روایت کے باب میں سب سے اعلی معیار پر قائم ہیں، اسی طرح فقاہت کے باب میں بھی ان کا کوئی مثل نہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اپنے اصحاب رضوان اللہ علیہم اجمعین کی دینی، عملی، اور علمی تربیت کی، وہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی فقہی تربیت بھی فرمائی۔

عہد رسالت میں فقہی تربیت کا نمونہ

مرفوع حدیث کی اقسام میں ایک قسم تقریری ہے، اور یہ تقریر فقہی تربیت کا اہم ترین عنصر اور جزء ہے، جس کا عام فہم مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بعض حالات میں اپنی صواب دید پر، موقع محل کے مناسب، کوئی عمل کر لیتے، پھر آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ عرض کرتے، جو عمل اسلامی روح، اور مراد شریعت کی عین موافق ہوتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تصویب فرماتے، سب کے سامنے حوصلہ افزائی فرماتے، اور جب اس کے خلاف کوئی عمل سامنے آتا تو برملہ برأت فرما دیا کرتے، مسبوق شخص کس طرح اپنی نماز پوری کرے گا، یہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ (ت 18ھ) کے عمل سے معلوم ہوا، ان کے اس اجتہادی عمل کی نہ صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصویب فرمائی، بلکہ ان کے اس عمل میں ان کی پیروی کا حکم دیا (1)، اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالٰی عنہ سے میدان جنگ میں ایک نو مسلم شخص قتل ہو گیا، یہ انکا اجتہاد تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برملہ ان کے اس عمل سے برأت کی، اور برملہ اعلان اس لیے تھا تاکہ کوئی ان کی اس خاص عمل میں اقتداء نہ کرے (2)، یہ

فقہی تربیت کا ایک نمونہ ہے، اور فقہی تربیت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے یہ ضروری تھا کچھ معاملات میں قرآن، اور شارح علیہ الصلاۃ والسلام خاموش رہیں، اور دین اسلام کے اولین علمبردار صادقین ومتقین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کسی نو وارد حادثہ، اور مسئلہ کا شکار ہو کر موجودہ ذخیرہ علم کو سامنے رکھ کر اپنے غور وفکر سے کوئی عمل کر گزریں، اور شارح علیہ الصلاۃ والسلام اس پر خاموشی اختیار کریں، یا تصویب، اور حوصلہ افزائی فرمائیں، یا پھر اس سے روک دیں۔

دین کا ایک بڑا حصہ تقریراتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ثابت ہے، کئی عبادات ومعاملات اور شرعی احکام تقریراتِ نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روشنی میں ہم تک پہنچے ہیں، اور چونکہ تقریراتِ نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فقاہت وفہم شریعت کے کامل ادراک پر کھلی دلیل ہے، جس سے فقہاء صحابہ کی پیروی کرنا بھی لازم آتا ہے، تو ائمہ مجتہدین کی فقہی خدمات کو بھی خراج تحسین پیش کرنا چاہیے، اور ان کی اتباع کو اپنی نجات کا ذریعہ گردانا چاہیے کیوں کہ جس طرح روایت کے باب میں اولین سہرا اولین مخاطبین کے سر پر ہے، اور اس کے بعد یہ نصیب محدثین کرام کو حاصل ہوا ہے، اور ان کی روایت کو دینی امور میں اس طرح قبول کرنا، جس طرح صحابی کی روایت کو قبول کرنا ضروری ٹھہرا ہے، تو اسی طرح فقاہت واجتہاد بھی موروثی ہے، جس طرح صحابی کے اجتہاد کے اتباع کا حکم ہے، اسی طرح ائمہ مجتہدین کی فقاہت کا اتباع بھی مطلوب ہے۔

عہد صحابہ وتابعین میں فقہی تربیت کی مثال

اگر دل میں یہ خیال گزرے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی فقاہت کی تربیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی، اسی لیے ان کے اجتہاد کو قبول کیا گیا ہے، جبکہ ائمہ مجتہدین کی فقاہت تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سے نہیں گزری، تو ہرگز اس خیال کو دل میں نہیں پنپنے دینا چاہیے کیوں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح فقہی تربیت کر کے صحابہ کو فقیہ بنایا، اسی طرح انہیں فقہی تربیت کرنے کا طریقہ بھی سکھایا ہے، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے صغار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور تابعین کی فقہی تربیت فرمائی، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ مشاورتی مجالس میں رکھنا، ان کی فقہی تربیت کا حصہ تھا، اسی طرح بعض تابعین نے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے پاس رہ کر فقہی تربیت پائی، جیسے سعید ابن المسیب (ت 94ھ) نے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (ت 59ھ) کی خدمت میں، علقمہ رحمہ اللہ تعالیٰ (ت 62ھ) نے حضرت

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ (ت 32ھ) کی خدمت میں رہ کر فقاہت کا درس لیا، اور مدینہ کے فقہاء سبعہ نے بھی فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے تربیت پائی تھی، یہی سلسلہ چلتا ہوا ائمہ متبوعین تک پہنچتا ہے، جس دلیل وحکم سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی فقاہت واجتہاد کا اتباع لازم ہے، اسی حکم سے ائمہ متبوعین کے اجتہاد کا اتباع ضروری ہے۔

انہی تربیت یافتہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں ایک نام عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالی عنہ کا ہے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مختصر حالات

عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی واقعہ فیل کے دس سال بعد مکہ مکرمہ میں پیدائش ہوئی، دار ارقم کے قیام سے کچھ قبل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست مبارک پر مشرف بہ اسلام ہوئے، حبشہ اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، مدینہ منورہ کے نامور تاجروں اور غنی و مالدار صحابہ میں شمار ہوتا ہے، تمام غزوات میں شرکت کی، سریہ دومۃ الجندل میں لشکر کے امیر مقرر کیے گیے، سخاوت وضیافت میں مشہور ہیں، عشرۃ مبشرہ میں سے ایک ہیں، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی خلافت کی سپردگی کا کام جن چھ صحابہ کے ذمہ لگایا تھا ان میں ایک نام آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا تھا، بعد ازاں حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا حتمی فیصلہ آپ ہی نے کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وصال کے بعد امہات المؤمنین کی ذمہ داری آپ کے سپرد فرمائی، فقہاءِ سبعہ میں حضرت أبوسلمہ رحمہ اللہ تعالیٰ آپ ہی کے فرزند ہیں، 32 ہجری میں وفات پائی۔(3)

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت ائمہ کے اقوال کی روشنی میں:

ابن القیم الجوزیۃ (751ھ) رحمہ اللہ تعالیٰ أعلام المؤقعین عن رب العالمین میں فرماتے ہیں کہ 130 سے زائد صحابہ اور صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن سے فتاوی محفوظ کیے گئے ہیں، اور فقہاء صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تین طبقے نقل کیے ہیں۔

1۔ المکثرون من الفتیا: جن سے بہ کثرت فتاویٰ منقول ہیں، اس طبقہ میں سات لوگوں کا شمار ہوتا ہے عمر بن الخطاب، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن مسعود، عائشہ ام المومنین، زید بن ثابت، عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم، ابن حزم رحمہ اللہ تعالی (456ھ) فرماتے ہیں کہ ان میں ہر صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کے فتاویٰ پر ایک ضخیم کتاب جمع کی جاسکتی ہے۔

2۔ المتوسطون فی الفتیا: جس میں 13 صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو شمار کیا گیا ہے، ابوبکر صدیق، عثمان بن عفان، ام سلمہ ام المومنین، ابوھریرہ، ابوسعید الخدری، انس بن مالک، عبداللہ بن عمرو بن العاص، عبداللہ بن زبیر، ابوموسیٰ اشعری، سعد بن ابی وقاص، سلمان فارسی جابر بن عبداللہ اور معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ، ابن حزم رحمہ اللہ تعالیٰ (456ھ) فرماتے ہیں کہ ان میں سے ہر صحابی کے فتاویٰ کو ایک مختصر رسالہ میں جمع کرنا ممکن ہے۔

ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ اسی طبقہ میں عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن سفیان اور کچھ دیگر صحابہ کا بھی شمار کیا جاسکتا ہے۔

3۔ المقلون من الفتیا: جن سے بہت کم فتاویٰ منقول ہیں جن کے ناموں کی ایک طویل فہرست ہے(4)۔

علاوہ ازیں ابن سعد (ت 320ھ) نے طبقات میں(5) ابن الجوزی نے (ت 597ھ) تلقیح الفھوم میں(6)، حافظ ابن حجر (ت 852ھ) نے الاصابۃ میں(7)، عبدالحی الکتانی نے التراتیب الاداریۃ (8) میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا شمار ان صحابہ میں کیا ہے جو عہد رسالت میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فقہی استنباطات

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا امامت کے لیے آگے بڑھنے کا استشہاد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توثیق:

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت پر سب سے بڑی، اور پہلی دلیل غزوہ تبوک کے سفر کا وہ واقعہ ہے، جس میں آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فجر کی نماز میں صحابہ کی امامت کرائی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی اقتداء میں نماز ادا فرمائی(9)۔

اس واقعہ کی تین دفعات سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فقاہت ثابت ہوتی ہے۔

1: وقت کی نزاکت کو دیکھتے ہوئے امامت کے لیے آگے پیش ہونا، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہمراہ قافلہ سے جدا ہو کر قضاءِ حاجت کے لیے گئے ہوئے تھے، جس سے لوٹنے میں تاخیر ہوئی، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کا انتظار کیا، مگر نماز کا وقت ہو جانے کی بنا پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے مشورہ کیا، ایسے وقت میں یہ فیصلہ لینا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر کوئی اور امام بنے یقیناً مشکل ترین فیصلہ تھا خاص طور پر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد متوقع بھی ہو، تاہم حضرت عبدالرحمٰن بن عوف

رضی اللہ تعالٰی عنہ اپنی فقہی بصیرت کی بنیاد پر آگے بڑھے، اور امامت کرائی۔

2: صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین کا آپ کی امامت پر متفق ہونا، اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اسی کی امامت پر متفق ہو سکتے تھے جو علم و عمل اور فقاہت میں اعلیٰ مقام رکھتے ہوں۔

3: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کی اقتداء کرنا، آپ کی امامت کو برقرار رکھنا علاوہ ازیں آپ کی تائید میں یہ جملہ فرمانا:

ما قبض نبی قط حتی یصلی خلف رجل صالح من أمته(10)

کوئی نبی اس وقت تک دار فانی سے کوچ نہیں کرتا جب تک اپنی امت کے کسی نیک آدمی کی اقتداء میں نماز نہ پڑھ لے۔

تعیین حد میں آپ رضی اللہ تعالی عنہ کا استنباط

حدود شرعیہ وہ سرزنشیں، اور سزائیں کہلاتی ہیں جو کسی معاشرتی، اور اخلاقی و کرداری بے راہ روی کی روک تھام کے لیے شریعت کی جانب سے مقرر کی گئی ہوں، جیسے حد زنا، حد سرقہ وغیرہ، انفرادی اور اجتماعی زندگی کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب شراب نوشی ہے، گو کہ زمانہ جاہلیت میں شراب بکثرت پی جاتی تھی مگر شریعت کی تدریجی تربیت کی وجہ سے اس کی شناعت دلوں میں بیٹھ گئی، تاہم پھر بھی کسی سے یہ جرم سرزد ہو جاتا تو کوئی مقرر حد نہیں تھی بلکہ حسب حال کسی کو چالیس کوڑے مار دیے جاتے، یا اس سے کم کوئی سزا دے دی جاتی، عہد صدیقی میں چالیس کوڑے مارے جاتے، لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ کا دورِ خلافت آیا اور اسلامی قلمرو میں فتوحات کی بنیاد پر مسلسل اضافہ ہونے لگا تو اطراف کے مسلمانوں کی شراب سے قربت بڑھ گئی، شراب نوشی کے واقعات بڑھنے لگے تو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مجلسِ مشاورت میں یہ بات رکھی، اور فرمایا ایک حد مقرر ہونی چاہیے، اب کتنی حد مقرر ہونی چاہیے؟ اس پر گفتگو جاری تھی کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا شریعت میں مقررہ حدود میں سب سے کم حد کو مقرر کیا جائے، اور وہ ہے اسی 80 کوڑے، اسی پر حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے بھی فرمایا کہ شراب پینے سے فحش گوئی اور تہمتوں کا دروازہ کھلتا ہے، اور تہمت کی سزا 80 کوڑے ہیں، تو شاربِ خمر کو بھی اسی کوڑے لگائے جائیں، چنانچہ آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ کے مشورے پر اسی کوڑوں کا فیصلہ کیا گیا۔

اس واقعہ میں سابق الذکر دونوں حضرات کی فقہی بصیرت اور ملکۂ استنباط و استشہاد کا ظہور ہوتا ہے(11)۔

استلام رکن اور آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کا اجتہادی عمل

یہ بات بالکل واضح اور مسلم ہے کہ امور عبادت میں فرائض وواجبات اور سنن کی اصطلاحات عہد رسالت میں رواج پزیر نہیں تھیں، بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین بالخصوص فقہاء صحابہ شارع علیہ الصلاۃ والسلام کو عبادات کرتے دیکھتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے اور اپنی فقہی بصیرت سے اس کا درجہ متعین کر لیتے تھے، جس کی بسا اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم توثیق فرماتے اسی طرزِ عمل کی ایک عملی مثال سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی کے بیان سے ملتی ہے، موصوف صحابی جلیل فرماتے ہیں کہ جب میں بیت اللہ کے طواف سے فارغ ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ استلام رکن میں آپ نے کیا عمل اختیار کیا، میں نے عرض کیا کہ کبھی استلام کیا اور کبھی چھوڑا (یعنی فرض اور واجب سمجھ کر ہمیشہ نہیں کیا بلکہ سنت ومستحب سمجھ کر کبھی استلام کیا اور کبھی ترک کیا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آپ نے درست راہ اختیار کی۔(12)

اس سے جہاں آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی فقاہت پر مہر نبوت ثبت ہوتی ہے، وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہی تربیت کا اسلوب وانداز بھی معلوم ہوتا ہے۔

آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کی مرویات میں فقاہت کی جھلک

صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم میں آپ کی فقہی اور حدیثی مقام ومرتبہ کا اندازہ ان روایات سے لگایا جا سکتا ہے جو صرف آپ سے منقول ہیں، کیوں کہ عموماً ہر شخص اس فن کی احادیث کو زیادہ یاد رکھتا ہے جس کا وہ ماہر ہو، فقہاء صحابہ سے فقہی روایات ہی زیادہ تر منقول ہوتی ہیں، جیسے عام طور پر اقضیہ کی احادیث میں حضرت علی رضی اللہ تعالٰی عنہ ،فرائض ومیراث کی روایات میں زید بن ثابت رضی اللہ تعالٰی عنہ اور حلال وحرام کی احادیث میں معاذ بن جبل رضی اللہ تعالٰی عنہ کی روایات کو ترجیح حاصل ہوتی ہے کیوں کہ وہ ان فنون کے ماہر اور خوگر تھے(13) بطورِ مثال تین روایات پیش کی جاتی ہیں۔

1۔ مجوس سے جزیہ قبول کرنا

مجوسیوں سے جزیہ قبول کرنے کے سلسلے میں سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ متردد تھے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ نے آ کر خبر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا، یہ حدیث آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے سوا موجودہ لوگوں میں کسی کے پاس نہ تھی، حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے صرف

آپ کی روایت کی وجہ سے جزیہ قبول کرنے کا فیصلہ کیا، جس سے خبر واحد کی حجیت معلوم ہوتی ہے(14)۔

2۔ وبائی علاقوں کے متعلق نبوی ہدایت

18 ہجری میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے ہمراہ شام کے سفر پر نکلے، مقام سرغ تک پہنچنے پر خبر ملی کہ شام میں وباء پھیلی ہوئی ہے، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اولاً مہاجرینِ اولین سے مشاورت کی، مجلس مشاورت میں اختلاف ہوا، کوئی حتمی فیصلہ نہ ہوسکا، پھر انصار صحابہ سے مشاورت کی، اس میں بھی اختلاف ہوا، اور کسی حتمی نتیجہ تک نہیں پہنچ سکے، پھر آپ نے قریش کے بڑے سردار جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر ہجرت کی ان سے مسئلہ کا حل دریافت کیا، سب ایک رائے پر متفق ہوئے کہ خود کو وباء میں داخل نہیں کرنا چاہیے اور واپس لوٹ جانا بہتر ہے، آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ نے واپس لوٹنے کا فیصلہ سنایا، اس پر ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالٰی عنہ نے استفسار کیا کہ آپ اللہ تعالٰی کی تقدیر سے بھاگ رہے ہیں تب آپ نے تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا کہ:

نعم! نفر من قدر اللّٰه الی قدر اللّٰه۔

جی ہاں کہ ہم تقدیر الٰہی سے تقدیر الٰہی کی طرف کوچ کر رہے ہیں۔

اس تمام کارروائی میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ شامل نہ تھے، وہ کسی کام سے کہیں گئے ہوئے تھے، اچانک وہ تشریف لائے اور جب انہیں تمام ماجرے کا علم ہوا تو فرمایا ایسے موقع کے لیے تو میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''اِذَا سَمِعْتُمْ بِهٖ بِاَرْضٍ فَلَا تَقْدَمُوا عَلَيْهِ، وَاِذَا وَقَعَ بِاَرْضٍ وَاَنْتُمْ بِهَا فَلَا تَخْرُجُوا فِرَارًا مِنْهُ''

کہ جب تم کسی علاقے کے متعلق سنو کہ اس میں وبا ہے، تو وہاں داخل مت ہونا، اور اگر جہاں تم رہ رہے ہو وہاں وبا پھیل جائے، تو بھاگنے کی غرض سے نہ نکلنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہ بہت خوش ہوئے، شکر ادا کیا اور لوٹ گئے(15)

3۔ نماز میں بھول جانے کے وقت بناء کرنا

نماز میں تعدادِ رکعات میں اشتباہ اور وہم ہونے کی وجہ سے استئناف کیا جائے یا بناء، ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ سے اس مسئلہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

روایت اور نبوی رہنمائی دریافت فرمایا، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرما میرے پاس تو کوئی حدیث نہیں، یہی گفتگو چل رہی تھی کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہاں سے گزر ہوا، تو ان سے مسئلہ کے بارے میں پوچھا گیا، جب آپ نے مسئلہ کے متعلق سنا، تو فرمایا میرے پاس اس مشکل کا حل موجود ہے، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ:

''ذَا صَلَّى اَحَدُكُمْ ، فَشَكَّ فِيْ صَلَاتِهٖ، فَاِنْ شَكَّ فِي الْوَاحِدَةِ وَالثِّنْتَيْنِ ، فَلْيَجْعَلْهُمَا وَاحِدَةً، وَاِنْ شَكَّ فِي فَلْيَجْعَلْهُمَا ثِنْتَيْنِ، وَاِنْ شَكَّ فِي الثَّلَاثِ وَالْاَرْبَعِ، فَلْيَجْعَلْهُمَا ثَلَاثًا، حَتّٰى يَكُوْنَ الْوَهْمُ فِي الزِّيَادَةِ، ثُمَّ يَسْجُدُ سَجْدَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يُسَلِّمَ ، ثُمَّ يُسَلِّمُ۔''

جب تم نماز میں ہو اور شک ہو جائے، اگر پہلی اور دوسری رکعت میں شک ہو تو پہلی پر بنا کرے، دوسری اور تیسری میں شک ہو تو دوسری پر بنا کرے، تیسری اور چوتھی میں اختلاف ہو تیسری کو اصل بنائے اور پھر سلام سے قبل سجدہ سہو کرے، بعدازاں سلام کرے۔(16)

یہ تینوں روایات آپ کی فقہی بصیرت اور فقیہانہ مقام و مرتبہ کی عکاسی کرتی ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب و علمه اكمل و اتم

[مصادر و مراجع]

(۱) مسند احمد بن حنبل، مسند الأنصار، حديث معاذ بن جبل رضى الله تعالىٰ عنه، رقم الحديث: 22033، ج:36،ص:362 مؤسسة الرسالة، 1429ھ۔

(۲) صحيح البخارى، كِتَابُ الدِّيَاتِ 1، بَابُ قَوْلِ اللّٰهِ تَعَالىٰ : وَمَنْ اَحْيَاهَا ،رقم الحديث :6478، ج:6،ص:2519،دار ابن كثير، 1410۔

(۳) أنظر ترجمته :الطبقات لابن سعد 3 / 124،ومعرفة الصحابة لأبى نعيم الأصبهانى 1 / 130،والاستيعاب فى معرفة الأصحاب لابن عبد البر 420، وأسد الغابة 3 / 362،والاصابة 4 / 290،، الرياض النظرة 583۔

(٤) اعلام المؤقعين عن رب العالمين لابن القيم، الفصل من بلغ بعد الرسول،

1 / 12،دار الجیل، بیروت - لبنان۔

[۵] الطبقات لابن سعد باب ذکر من یفتی بالمدینة و یقتدی به، 2 / 340 بیروت، 1376 ھ۔

[٦] تلقیح فهوم اهل الأثر فی عیون التاریخ والسیر لابن الجوزی، تسمیة من کان یفتی علی عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من أصحابه، ص: 321،شرکة دار الأرقم بن أبی الأرقم، 1418۔

[۷] الاصابة فی تمییز الصحابة لابن حجر،رقم ترجمة الصحابی :5195، ج:4،ص:291،دار الکتب العلمیة ،1426ھ۔

[۸] التراتیب الاداریة للشیخ عبد الحی الکتانی، تحت ذکر المفتین علیٰ عهد رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم، 1 / 56، دار الاحیاء التراث العربی بیروت، لبنان۔

[۹] سنن النسائی، کتاب الطهارة، صفة الوضوء ،غسل الکفین رقم الحدیث 82، دارالمعرفة 1404ھ۔

[۱۰] الطبقات لابن سعد 3 / 129،بیروت، 1376 ھ۔

[۱۱] الصحیح لمسلم ،کتاب الحدود ،باب حد الخمر، رقم الحدیث :1752، ص: 821، دار التأصیل 1439 ھ،و المؤطا للامام مالك، کتاب الحد فی الخمر، رقم الحدیث : 1825 ، 2 / 45،مؤسسة الرسالة 1412ھ۔

(نوٹ صحیح مسلم کی روایت میں عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالٰی عنہ اور المؤطا کی روایت میں علی کرم اللہ وجہہ کا ذکر ہے، امام نووی نے دونوں کو جمع کیا ہے ہم نے وہی اختیار کیا ہے)

[۱۲] معجم الصغیر للطبرانی رقم الحدیث : 650، 1/ 388 المکتبة الاسلامیة بیروت، 1405ھ۔

[۱۳] التقیید والایضاح للعراقی ،نوع معرفة مختلف الحدیث، ص:226،دار الکتب العلمیة 1420 ھ۔

[١٤] السنن لأبی داؤد، کتاب الخراج و الامارة، باب فی اخذ الجزية من المجوس، رقم الحديث: 3039، ج:4،ص:392 ،مؤسسة الريان 1425ھ۔

[١٥] الصحيح للبخاری ،کتاب الطب، باب :مايذكر فی الطاعون، رقم الحديث : 5397 ،ج:5،ص:2164 ،دار ابن كثير، 1410۔

[١٦] مسند احمد بن حنبل، مسند عبد الرحمن بن عوف رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ ، 3 / 194،مؤسسة الرسالة 1429ھ۔

''حدیثِ نبویؐ کو حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے تمام علومِ دینیہ کی اصل اور اساس کہا ہے اس لیے کہ سب علوم کے چشمے اسی سے پھوٹتے ہیں حتٰی کہ قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے معانی معلوم کرنے کا ذریعہ بھی حدیثِ نبویؐ ہی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے'' کان خلقہ القرآن''۔

[مولانا زاہدالراشدی]

[مراسلات] مولانا صوفی عبدالحمید خان سواتیؒ
[مرتب] مولانا محمد فیاض خان سواتی

مراسلاتِ مفسرِ قرآنؒ

(باب ششم)
متفرقات
[قسط-۴۰]

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ سے مراسلت

''حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کا ذکر خیر گزشتہ اوراق میں ان کے خطوط کے تذکرہ میں گزر چکا ہے۔'' (فیاض)

مکتوب مفسر قرآنؒ بنام حضرت لدھیانوی شہیدؒ

مکرمی جناب مولانا محمد یوسف صاحب (لدھیانوی شہیدؒ)

دام مجدکم تقبل اللّٰہ مساعیکم وجزاکم اللّٰہ فی الداین خیرا۔

سلام مسنون اسلام کے بعد!

جناب والا کے دونوں مکتوب (ناسخ ومنسوخ) یکساں مل گئے تھے۔ یادفرمائی کا شکریہ۔ حضرت بنوری قدس سرہ سے احقر کی صرف دو دفعہ ملاقات ہوئی اور بالمشافہ زیارت نصیب ہوئی، ۱۹۶۲ء جامع مسجد نیوٹاؤن میں حضرت کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی، آپ کا بیان سنا اور پھر اس کے بعد مختصر سی ملاقات ہوئی، اور دوسری بار ۱۹۷۴ء میں ختم نبوت کی تحریک کے سلسلہ حضرت مرحوم گوجرانوالہ مدرسہ نصرت العلوم جامع مسجد نور میں

تشریف لائے تھے، آپ کا خطاب تھا، حضرت کے اس بیان میں بے پناہ کشش و جذب تھا، حالانکہ بہت تیز بول رہے تھے، میں نے ایسی کشش حضرت مدنی ؒ، حضرت لاہوریؒ اور امیر شریعت بخاریؒ کے بعد کسی بیان میں نہیں دیکھی، دل گواہی دیتا تھا کہ حضرت بنوریؒ اپنے اسلاف کی روحانیت کے حامل تھے، اس کے علاوہ احقر کو کبھی موقع نہیں ملا، نہ حضرت کے درس یا تقریر سننے کا اتفاق ہوا۔ دمغ الباطل کی طباعت پر حضرت قدس سرہ کی خدمت میں ایک نسخہ بھیجا تھا، اس کے متعلق حضرت والا نے اپنے تاثرات ایک مکتوب میں قلمبند فرمائے تھے، بندہ حقیر کے نام حضرت کا وہی ایک مکتوب آیا تھا، جس کی فوٹو کاپی ارسال خدمت ہے۔

''حضرت مولانا سید محمد یوسف بنوریؒ کا تذکرہ اوران کا یہ مکتوب گزشتہ اوراق میں گزر چکا ہے۔''(فیاض)

حضرت مولانا یعقوب قاسمی سے مراسلت

''حضرت مولانا یعقوب قاسمی صاحب ہندوستان کے ایک معروف عالم دین ہیں، ان کے مفصل تعارف پر احقر مطلع نہیں ہوسکا۔''(فیاض)

مکتوب مولانا یعقوب قاسمی بنام مفسر قرآنؒ

''گرامی قدر حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب زید مجدکم و فضلکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

امید کہ مزاج گرامی بخیر ہوگا۔ بعد سلام مسنون راقم ہندی الاصل تقریبا ۴۶ سال سے برطانیہ میں مقیم ہے محترم مولانا زاہدالراشدی صاحب زید مجدہ راقم سے متعارف ہے۔

برطانیہ میں بڑھتی ہوئی مسلم آبادی کے پیش نظر مساجد کے قیام میں بھی زیادتی لازمی ہے، بعض مساجد تیار مکان خرید کر اس میں نماز و عبادات ہوتی ہیں۔

ایسے ہی ایک مکان میں کچھ سال پہلے سمت قبلہ کو اس وقت کے علماء سے معلوم کر کے صفوں کو سیدھا کرنے کی غرض سے صحیح سمت قبلہ سے ایک جانب موڑ کر صفوں کو سیدھا کر دیا، اوراس کے مطابق نمازیں ادا کرنی شروع کر دیں۔

تھوڑے عرصے کے بعد یونیورسٹی کے ایک طالب علم نے قبلہ کو چیک کیا اور اس نے بتایا کہ قبلہ میں انحراف ۵۳ درجہ ہے (انحراف ۴۵ سے زیادہ ۵۳ درجہ تھا) اس پر علماء کے درمیان یہ مسئلہ زیر بحث ہوا، ایک عالم نے بتایا کہ کوئی حرج نہیں چاہے کتنا ہی انحراف ہو نماز صحیح ادا ہو جائے گی، اور جناب کی ''معالم العرفان'' کا مندرجہ ذیل حوالہ بطور دلیل پیش کیا۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے ''مـابین المشرق والمغرب قبلة'' یعنی مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہے، اور یہاں اس کو ہم یوں کہیں گے کہ شمال و جنوب کے درمیان قبلہ ہے مقصد یہ کہ اگر عین کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا تو یہ دشوار تھا اور جہت عام ہے حتیٰ کہ جب تک کعبہ کی طرف بلکل پشت نہ ہو جائے نماز درست ہے، اس کے لیے زاویہ قائمہ ضروری نہیں ہے، اگر زاویہ حادہ کے ساتھ رخ کر کے بھی نماز پڑھی جائے گی، تو وہ درست ہوگی۔ (معالم العرفان ج ۳ ص ۴۴)

دوسری عبارت۔ ا۔فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نماز کی حالت میں نمازی کے سینے کا جہت قبلہ ہونا فرض ہے، اور چہرے کا اس رخ پر ہونا سنت ہے، چنانچہ اگر نماز کے دوران سینہ جہت قبلہ سے منحرف ہوگیا تو نماز باطل ہو جائے گی، چہرہ کے منحرف ہونے سے نماز باطل نہیں ہوگی، (ص ۴۷)

مذکورہ بالا پہلی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے عالم صاحب نے بتایا کہ جب تک ''پشت نہ ہو جائے نماز درست ہے''۔

جہت قبلہ میں انحراف قلیل و کثیر پر فساد و عدم فساد نماز کے بارے میں فتاویٰ کی کتابوں میں عام طور پر یہ لکھا گیا ہے، کہ انحراف قلیل مفسد نماز نہیں اور انحراف کثیر مفسد نماز ہے، انحراف قلیل و کثیر کی وضاحت، فتاویٰ دار العلوم دیوبند، امداد المفتیین ج ۱ ص ۷۶ پر مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے قصبہ جہانگیر آباد ضلع بارہ بنکی یوپی ہند میں ایک مسجد کی تعمیر کے موقع پر سمت قبلہ کے بارے میں ایک استفتاء گیا حضرت مفتی صاحبؒ نے اس کا جواب تفصیل سے لکھا۔ اس میں سے مندرجہ ذیل چند اقتباسات عرض ہے۔

پھر جہت قبلہ کے معنی یہ ہیں، کہ ایک خط جو کعبہ پر گزرتا ہوا جنوب و شمال پر منتہی ہو جاوے اور نمازی کے وسط جبہہ سے ایک خط مستقیم نکل کر اس پہلے خط سے اس طرح تقاطع کرے کہ اس موقع تقاطع پر دو زاویہ قائمہ پیدا ہو جاویں وہ قبلہ مستقیم ہے، اور اگر نمازی اتنا منحرف ہو کہ وسط جبہہ سے نکلنے والا خط تقاطع کر کے زاویہ قائمہ پیدا نہ

کرے بلکہ حادہ یا منفرجہ پیدا کرے۔لیکن وسط جبہہ کو چھوڑ کر پیشانی کے اطراف میں کسی طرف سے نکلنے والا خط زاویہ قائمہ پیدا کردے تو انحراف قلیل ہے، اس سے نماز صحیح ہو جائے گی، اور اگر پیشانی کی کسی طرف (دائیں، بائیں) سے بھی ایسا خط نہ نکل سکے جو خط مذکور پر زاویہ قائمہ پیدا کردے تو وہ انحراف کثیر ہے، اس سے نماز نہ ہوگی، اور علماء ہیئت وریاضی نے انحراف قلیل وکثیر کی تعیین اس طرح کی ہے کہ (۴۵) درجہ تک انحراف ہو تو قلیل ہے اس سے زائد ہو تو کثیر مفسد صلوۃ ہے، (کما سیاتی عن الخیریۃ) (کامل فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ج ۱ص ۷۸)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ زاویہ حادہ منفرجہ مفسد صلوٰۃ ہے۔

صفحہ ۸۳ پر حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

رسائل الارکان کی مذکورہ عبارت سے نیز فتاوی خیریہ کی عبارت سے جنوب وشمال میں ۴۵۔۴۵ درجہ تک انحراف کا جواز معلوم ہوتا ہے، اور مابین المغربین کے قول پر صرف ۲۴۔۲۴ درجہ تک دونوں طرف انحراف کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ میل کلی بہ حسب تصریح چغمنی وغیرہ ۲۴ درجہ ہے، تو فاصلہ بین المغربین کل ۴۸ درجہ ہوا، اور انحراف مباح ہر دو جانب ۲۴ درجہ۔ان میں قول اول (۴۵ درجہ) اوسع اور ثانی (۲۴) احوط ہے۔كما فی حاشية البحر للشامی بعد نقل القولين وهذا استحباب والاول للجواز۔

جواب کو حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضرت تھانویؒ نے مندرجہ ذیل عبارت لکھ کر اس کی تصویب فرمائی۔ بعد الحمد والصلوٰة ۔میں نے اس فتوی کو دیکھا۔مسئلہ زیر بحث میں کافی وافی پایا، جس سے میں حرفاً حرفاً متفق ہوں، اور سہولت تعبیر کے لیے اس کو ''تنقیح المقال فی تصحیح الاستقبال'' سے ملقب کرتا ہوں، کتبہ اشرف علی عفی عنہ ۴ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ۔

جناب والا کی خدمت میں اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ ''معالم العرفان'' کی مذکورہ بالا عبارت سے جس طرح برطانیہ کے اس عالم کو اس سے یہ شبہ ہوا، کہ ۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف ہو تو بھی یہ مفسد نماز نہیں، اور دارالعلوم دیوبند کے فتویٰ سے ۴۵ درجہ سے زیادہ انحراف مفسد نماز ہے۔

اس لئے ''معالم العرفان'' کی مندرجہ بالا کی وضاحت ضروری ہے، تاکہ مستقبل میں کسی کو اس بارے میں اس قسم کا شک وشبہ نہ ہو سکے۔

راقم امید کرتا ہے، جناب والا تفصیلی جواب سے راقم کو ممنون فرمائیں گے۔

العبد الضعیف

یعقوب قاسمی غفرلہ

بانی ورئیس مجلس تحقیقات شرعیہ برطانیہ ڈیوز بری

۴ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ، ۲۱/۵/ ۲۰۰۷ء

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبد الحمید صاحب سواتی صاحب زید مجدہ

بانی ومہتمم مدرسہ نصرۃ العلوم محلّہ فاروق گنج گوجرانوالہ ۵۲۲۵۰ پاکستان

MOHALLA FAROOQ GANJ GUJRANWALA

52250 PAKSTAN''

(نوٹ) اس مسئلہ کے کے بارہ میں ابھی تحقیق جاری ہے۔(فیاض)

جناب غلام مصطفیٰ جتوئی مرحوم سے مراسلت

''جناب غلام مصطفیٰ جتوئی مرحوم کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، وہ وطن عزیز کے ایک معروف سیاستدان، اسلامی جمہوری اتحاد کے صدر اور عبوری وزیر اعظم کے منصب پر بھی فائز رہ چکے ہیں۔''(فیاض)

مکتوب سابق وزیر اعظم پاکستان غلام مصطفیٰ جتوئی بنام مفسر قرآنؒ

''اسلامی جمہوری اتحاد۔ مرکزی دفتر۔ مارگلہ اسلام آباد۔

محترمی ومکرمی! اسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے مزاج گرامی بخیر ہوں گے۔

۱۶ نومبر کا سورج طلوع ہونے میں اب تھوڑے ہی دن باقی رہ گئے ہیں، یہ دن ہماری قومی تاریخ میں ایک اہم دن کی حیثیت اختیار کرتا چلا جا رہا ہے، اس دن فیصلہ ہونا ہے کہ پاکستانی قوم نے یہاں اسلام کا پرچم سربلند رکھنا ہے یا ایک بار پھر خدانخواستہ ہمارا سابقہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء جیسے تاریک دور سے ہوتا ہے، آپ سے زیادہ باخبر اور کون ہوگا کہ ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک پاکستان پیپلز پارٹی نے مملکت خداداد پاکستان اور اس میں رہنے والے بزرگان خدا کے ساتھ کیا حشر کیا، ہوس اقتدار میں ''اُدھر تم اِدھر ہم'' کا نعرہ لگا کر پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیے۔

پاکستان کو دولخت کرنے کے بعد باقی ماندہ پاکستان کو سوشلزم کی تجربہ گاہ بنانے کی کوشش کی گئی، معیشت معاشرت بنیادی حقوق اور اسلامی اصلاحات ہر چیز کی مٹی پلید ہوئی، دین اور اہل دین کے ساتھ جو کچھ پیپلز پارٹی نے کیا وہ بھی آپ سے مخفی نہیں ہے، بلوچستان میں مولانا شمس الدین کو ڈیرہ غازی خان میں ڈاکٹر نذیر احمد کو لاہور میں خواجہ رفیق احمد کراچی میں ضامن علی اور دیگر سینکڑوں کے حساب سے (یہاں لیس کچھ حصہ ء خط لکھا ہوا سمجھ نہیں آیا۔فیاض) لاہور کی مسلم مسجد ہو یا کراچی کا دارالعلوم بنوری ٹاؤن یا آرام باغ کی مسجد ان مساجد کی اس طرح بے حرمتی کی تھی کہ غیر مسلم بھی اس کا تصور نہیں کر سکتے، پاکستان پیپلز پارٹی ایک بار پھر باہر نکلی ہے، دین سے بے خبر اور اسلامی شعائر کی باغی عورتوں کو مسلط کرنے کی اندرونی و بیرونی سازشیں ہو رہی ہیں، تمام اسلام دشمن قوتیں اس کوشش میں مصروف ہیں، اللہ کے نام پر حاصل کیے گئے پاکستان کو کسی نہ کسی طرح لادینیت کی طرف دھکیل دیا جائے، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے، کہ اس نازک مرحلہ پر قومی سیاسی و دینی جماعتوں نے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے سنجیدہ جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اسلامی جمہوری اتحاد اپنی تشکیل کے ابتدائی مراحل سے بخیر وخوبی گزر کر ایک مربوط اور متحد قوت کے طور پر قوم کی رہنمائی میں بھی کامیابی حاصل کرے گا، اتحاد کے پیش نظر جو نکات ہیں، ان میں اسلامی شریعت کی بالادستی جہاد افغانستان کی مکمل پشت پناہی عدل و انصاف کا قیام، غریبوں کے دکھوں کا مداوا، اور خواتین کے حقوق کا تحفظ شامل ہیں، آپ انبیاء کرام علیہم السلام کے مشن کے وارث ہیں، اس نازک تاریخی موڑ پر آپ کو فیصلہ کن کردار ادا کرنا ہے، آپ کا تعلق کسی بھی مسلک سے ہو کسی بھی دینی جماعت سے ہو، اس وقت تمام تر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر پاکستان کے خلاف ہونے والی سازشوں کے خلاف میدان عمل میں آنا چاہیے، جس طرح آپ کی اور پوری قوم کی تابناک جدوجہد کے نتیجہ میں ۱۹۷۷ء میں حالات کا رخ بدلا اسی طرح آج پھر آپ کی ولولہ انگیز جدوجہد لادینی قوتوں کو فیصلہ کن نتائج دینے کا ذریعہ بن سکتی ہے، اسلامی جمہوری اتحاد کی مرکزی مجلس عاملہ ۱۲۸ کتوبر کے اجلاس کے فیصلے کے مطابق مندرجہ بالا گزارشات آپکی خدمت میں ارسال کر رہا ہوں، امید ہے، آپ ہمیں اور خود ملت اسلامیہ پاکستان کو مایوس نہیں کریں گے، اللہ تعالیٰ آپ کے مساعی کو قبول فرمائیں، آمین۔

غلام مصطفیٰ جتوئی صدر اسلامی جمہوری اتحاد
مرکزی دفتر ۵۱۴۹ مارگلہ روڈ اسلام آباد
فون نمبر ۸۱۳۷۰۰"

مولانا محمد ابوبکر شیخوپوری
سابق استاذ التفسیر جامعہ اسلامیہ امدادیہ چنیوٹ

اصولی وفروعی اختلافات --- حقیقت اور وجوہات

[دوسرا اور آخری حصہ]

فروعی اختلاف کی وجوہات

دین کے فروعی مسائل میں اختلاف کی وجہ سے بہت سے لوگ کنفیوژن کا شکار ہو جاتے ہیں۔ایک ہی مسئلہ میں مختلف آراء اور ایک ہی چیز کے بارے میں جواز اور عدم جواز، حلت اور حرمت کا فتوی دیکھ کر آزمائش میں پڑ جاتے ہیں کہ کس فتوی پر عمل کریں، بعض لوگ تو ان متضاد مسائل کی وجہ سے علماء اور مفتیان کو ہی ہدف تنقید بنا لیتے ہیں اور اس بات کا ڈنڈورا پیٹتے ہیں کہ مولویوں نے اپنے مفادات کی خاطر دین کو اختلافات اور تضادات کی بھینٹ چڑھا کر برباد کر دیا ہے۔عموماً ایسی باتیں منکرین تقلید اور شائقین تحقیق کی طرف سے کی جاتی ہیں اور سادہ لوح عوام کو مقلدین ائمہ بالخصوص حنفیوں سے بیزار کرنے کے لئے یہ کہ کر گمراہ کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے کہ دین تو ایک نازل ہوا ہے، لیکن ائمہ اربعہ نے چار دین بنا رکھے ہیں اور وہ عوام کو قرآن وحدیث سے ہٹا کر اپنے خودساختہ مذاہب پر چلا رہے ہیں۔حالانکہ چاروں ائمہ کا مستدل کتاب اللہ اور حدیث رسول اللہؐ ہے، سب ہی نصوص سے استدلال کر کے مسائل کا استنباط کرتے ہیں، البتہ اگر کوئی مسئلہ قرآن وسنت سے صراحۃ ثابت نہ ہو تو اس سے ملتا جلتا کوئی مسئلہ نصوص میں ڈھونڈ کر اشتراک علت کی بناء پر اس پر کتاب وسنت کا حکم لگا دیتے ہیں، اس کو اصولیین کی اصطلاح میں ''قیاس شرعی'' کہتے ہیں۔رہا یہ سوال کہ جب سب فقہاء کا مستدل کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ ہے تو پھر وہ مسائل میں باہم مختلف کیوں ہیں؟ تو اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ قرآن وسنت میں ہی احکام معارض ہیں اور وہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، ایک ہی چیز کے بارے میں ایک نص اجازت دے رہی تو دوسری میں اس کی ممانعت ہے۔جب صورتحال ایسی ہے تو مسائل میں اختلاف ایک یقینی امر ہے، اسے اجتہادی اور فروعی اختلاف کہا جاتا ہے

اور یہ اختلاف مذموم نہیں بلکہ محمود ہے، حدیث پاک میں اس کو رحمت کہا گیا ہے۔اس پر مستزاد سوال یہ ہے کہ آنحضرتؐ جب اصدق الصادقین کے وصف کے ساتھ متصف ہیں اور اعقل الناس واعلم الخلائق ہیں تو ضروری تھا کہ آپؐ کے فرامین مبارکہ یکسانیت کے آئینہ دار اور تضاد سے پاک ہوتے لیکن اس سب کے باوجود یہ تعارض اور تناقض کیسا؟ یہ ایک انتہائی اہم اور معقول سوال ہے جو زبان زدعوام وخواص ہے۔اس معمے کے حل اور اس قضیے کے تصفیہ کے سلسلہ میں سب سے اہم تقریر برکۃ العصر، ریحانۃ الہند، قطب الاقطاب، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صدیقی کاندھلوی مہاجر مدنیؒ نے اپنی مایہ ناز تصنیف ''اختلاف الائمہ مع الاستدراک'' میں فرمائی ہے۔چنانچہ آپؒ نے علل روایات پر تفصیل سے کلام کرتے ہوئے احادیث میں تعارض کی متعدد وجوہات مع امثلہ ذکر فرمائی ہیں جو اس عامی شبہ کے ازالہ اور معترض کے ذہن کی صفائی کے لئے کافی وافی ہیں۔چند ایک کا خلاصہ اختصار کے ساتھ نذر قائین ہے۔

ا۔صحابہ کرامؓ کا علل معلوم نہ کرنا

نبی کریمؐ پر جب کوئی حکم نازل ہوتا تو قولا اور فعلا صحابہ کرامؓ کو تعلیم فرما دیتے اور صحابہ کرامؓ اس پر عمل کرنا شروع کر دیتے، باقی اس عمل کی شرعی حیثیت یعنی فرضیت، وجوب، سنیت، استحباب اور اباحت کے متعلق نہ نبی کریمؐ وضاحت فرماتے اور نہ ہی صحابہ کرامؓ نبی کریمؐ سے دریافت فرماتے بلکہ اس نوعیت کا سوال اگر کوئی شخص کرتا تو اس سے بے اعتنائی برتی جاتی اور اس سوال کو غیر معقول تصور کیا جاتا جیسا کہ مسند احمدؒ میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ وتر واجب ہیں یا سنت؟ آپؓ نے جواب میں فرمایا ''حضورؐ اور صحابہ کرامؓ نے ہمیشہ وتر پڑھے ہیں''۔اس کا واضح مطلب یہ تھا کہ عمل کرنے والے کو ایسی تحقیقات اور تدقیقات میں پڑنے کی ضرورت نہیں۔لہذا جب امور شرعیہ کی حیثیت منصوص اور منقول نہیں ہے تو قرائن وشواہد اور احکام کی تاکید وتسہیل کی روشنی میں فقہاء کرامؒ جب کوئی حکم لگائیں گے اور اس کی شرعی حیثیت کا تعین کریں گے تو ایسی صورتحال میں اختلاف کا پایا جانا کوئی بعید نہیں۔

۲۔حکم خاص کو عام اور عام کو خاص سمجھ لینا

نبی کریمؐ بسا اوقات کوئی حکم کسی خاص شخص کے لئے صادر فرماتے تھے، حاضرین مجلس میں سے بعض حضرات اس کو عام سمجھ کر کلیہ کے طور پر نقل فرما دیتے تھے، جیسا کہ صحیح بخاری، کتاب الجنائز میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی

روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا ان المیت یعذب ببکاء اھلہ علیہ ” میت کو اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب ہوتا ہے“۔ جبکہ حضرت عائشہؓ اس حکم کے عموم کی نفی فرماتی ہیں، ان کا موقف یہ تھا کہ حضورؐ نے یہ بات ایک یہودیہ عورت کے بارے میں ارشاد فرمائی تھی جس پر اس کے گھر والے رو رہے تھے۔ اب جبکہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ دونوں الگ الگ نظریئے کے قائل ہیں، ایک عموم اور دوسرا خصوص کا تو اس بناء پر لامحالہ فقہاء میں بھی اختلاف ہوگا۔

۳۔ حضورؐ کے کسی فعل کو امر طبعی یا امر شرعی پر محمول کرنا

روایات حدیث میں تعارض کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ نبی کریمؐ کو متعدد لوگوں نے ایک ہی کام کرتے دیکھا تو اپنے اپنے خیال کے مطابق کسی نے اس کو امر طبعی پر محمول کیا اور کسی نے امر شرعی پر۔ جیسا کہ صحیح مسلم کتاب الحج میں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نبی کریمؐ کا فرمان ہے منزلنا غدا ان شاء اللّٰہ بخیف بنی کنانۃ حیث تقاسموا علی الکفر ”ان شاءاللہ (سفر حج کے دوران) کل ہمارا پڑاؤ خیف بنی کنانہ میں ہوگا جہاں (نبوت کے ابتدائی عہد میں) مشرکین نے (اسلام کی) مخالفت پر معاہدہ کیا تھا“۔ نبی کریمؐ نے یہ قیام کس حیثیت سے فرمایا تھا؟ اس میں صحابہ کرامؓ میں اختلاف ہوگیا، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی رائے یہ ہے کہ سفر حج میں یہ قیام مناسک حج میں سے ہے اور حاجی کے لئے سنت ہے جبکہ حضرت عائشہ اور حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک یہ قیام اتفاقی تھا جس کا حج کے افعال سے کوئی سروکار نہیں، بس خدام نے وہاں خیمہ نصب کر دیا تو آپؐ وہاں مقیم ہو گئے، مجتہدین نے اپنے اجتہاد کے مطابق دلیل سے ایک قول کو ترجیح دے دی، ایک گروہ نے کہا کہ حدیث کے الفاظ تقاسموا علی الکفر سے صاف صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ قیام قصداً و ارادۃً تھا، جس کی غرض یہ تھی کہ جس جگہ کفار نے اسلام کے خلاف سازش کی تھی، اسی جگہ مناسک حج جو اسلام کے شعائر میں سے ہے کا اظہار کیا جائے، اس کے برعکس دوسری جماعت کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ کا راستہ ہی چونکہ اس طرف تھا اس لئے نبی کریمؐ نے سہولت کی غرض سے یہاں ٹھہرنے کا حکم فرمایا۔

۴۔ علت حکم میں اختلاف ہونا

بسا اوقات احادیث میں تعارض علت حکم کے اختلاف کی وجہ سے بھی پیش آتا ہے۔ جیسا کہ سنن نسائی کتاب الجنائز میں حضرت سہل بن حنیفؓ اور حضرت قیس بن سعدؓ کا بیان ہے مر علی رسول اللّٰہ صلی

اللّٰه علیه وسلم بجنازة فقام فقیل له انه یهودی فقال الیست نفسا ''نبی کریمؐ کے پاس سے ایک جنازہ گذرا تو آپؐ کھڑے ہو گئے، عرض کیا گیا: یہ تو یہودی (کا جنازہ) ہے، فرمایا: کیا وہ انسان نہیں ہے''۔ نبی کریمؐ یہودی کے جنازے پر کیوں کھڑے ہوئے؟ اس کی ایک علت سنن نسائی میں حضرت حسن بن علیؓ کی روایت میں یہ بیان کی گئی ہے فکرہ ان تعلو راسه جنازة یهودی ''یہودی کا جنازہ مسلمانوں کے سر کے اوپر سے نہ گذرے (اور مسلمانوں کی اہانت نہ ہو)'' جبکہ دوسری علت حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کے مطابق یہ منقول ہے فقال انما قمنا للملائكة ''آپؐ نے فرمایا کہ ہم تو ملائکہ (کی تعظیم) کے لئے کھڑے ہوئے ہیں''۔ یہ حکم تو بعد میں منسوخ ہو گیا لیکن روایت بیان کرتے ہوئے جنازۃ کے لفظ کے ساتھ کافر کے لفظ کی صراحت کرنے میں اختلاف ہو گیا، جن رواۃ کے پیش نظر پہلی علت تھی انہوں نے اس کو ضروری سمجھا کیونکہ اس صورت میں قیام صرف کافر کے جنازے کے ساتھ مخصوص تھا اور جنہوں نے دوسری علت کو راجح قرار دیا انہوں نے لفظ کافر کی صراحت کی ضرورت محسوس نہیں کی اور علی الاطلاق جنازہ کے لفظ کے ساتھ روایت نقل کرنے پر کفایت کی، اس لئے کہ جب فرشتوں کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا ہے تو جنازہ چاہے یہودی کا ہو یا مسلمان کا، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

> ''بعض ہمدرد لوگ اس خواہش کا اظہار کرتے ہیں کہ علماء کرام کو دینی خدمات کیلئے عوامی چندہ پر انحصار کرنے کی بجائے روزگار کا کوئی اور ذریعہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ کہنا ایسے ہی ہے جیسے جج صاحبان عدل و انصاف کیلئے عوامی ٹیکس پر انحصار کرنے کی بجائے کوئی اور ذریعہ معاش اختیار کریں۔'' [مولانا زاہد الراشدی]

محمد حذیفہ حیدر، متعلم جامعہ نصرۃ العلوم

نایاب انسان کی نایاب ادائیں

میرے استاد محترم حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب فرما رہے تھے کہ جامعہ نصرۃ العلوم کے شعبہ حفظ کے سابق مدرس حضرت مولانا قاری عبیداللہ عامر صاحب امام اہل سنت حضرت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے ساتھ بعض اسفار میں ساتھ ہوتے تھے، وہ تذکرہ کرتے ہیں حضرت کے بعض اسفار کا۔

ایک دفعہ میں حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں شریک تھا سفر ہمارا پختون حضرات کی طرف تھا، حضرت وہاں تشریف لے گئے میزبانوں نے خدمت مدارت کی اور واپسی پہ کچھ میوہ جات بھی ہدیہ کیے، ہم جب واپس آئے تو حضرت نے گکھڑ منڈی میں مجھے بلایا اور ترازو منگوایا، میں نے حکم کی تعمیل کی، حضرت نے اس ترازو میں وہ میوہ جات تول کئے جو میزبانوں نے حضرت کو ہدیہ کئے تھے، اور برابر ان کو تقسیم کر کے ایک حصہ مجھے دیا اور ایک خود رکھا۔ کیسے تھے یہ نایاب لوگ اللہ اللہ۔

ایک اور واقعہ ذکر کرتے ہیں: ایک دفعہ حضرت کے ساتھ سفر میں تھے، گاڑی منزل مقصود کی طرف رواں دواں تھی کہ اچانک گاڑی کے پہیہ کے نیچے مرغی آ گئی اور مرگئی، ڈرائیور نے گاڑی بھگا دی، حضرت کو پتہ چلا تو گاڑی کو روکنے کا حکم دیا اور اہل علاقہ سے معلومات کی کہ یہ کس کی مرغی تھی، مرغی کی مالکہ ایک عورت نکلی حضرت نے اس فرمایا: بی بی! یہ ہم سے غلطی ہوگئی ہے، تو ہم سے مرغی کے پیسے لے لے، عورت نے ایک دفعہ حضرت کو دیکھا اور فرمانے لگی مولوی۔۔۔ یہ ایک مرغی ہے تجھ پہ تو ہزار مرغیاں قربان ہوں۔

ایک واقعہ امام اہل سنت رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔

میں اپنے والد گرامی کے ساتھ ایک سفر میں تھا ہم نے سفر بس میں کیا جب بس سے اترے تو مجھے والد گرامی نے پانچ روپے دیے اور فرمایا کہ فلاں ہوٹل سے تم کھانا کھا لینا، میزبانوں نے میرے کھانے کا انتظام کیا ہوگا تمہارے کھانے کا نہیں۔

واللہ کیسے تھے یہ لوگ اللہ تعالیٰ حضرت کی قبر کو نور سے منور فرمائے اور ہمیں انکے نقش قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مولانا محمد فیاض خان سواتی

وفیات

[۱] شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالعزیز عزیزی مہتمم جامعہ رحمانیہ ٹھنگ موڑ الہ آباد ضلع قصور گزشتہ ماہ رحلت فرما گئے ہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم جامعہ نصرۃ العلوم کے قدیم فضلاء میں سے تھے اور علم وعمل، سادگی اور عاجزی کا پیکر تھے، ہر سال جامعہ نصرۃ العلوم میں سالانہ امتحان کے لئے میں انہیں دعوت دیا کرتا تھا اور وہ عوارضات کے باوجود بھی بخوشی تشریف لایا کرتے تھے، بخاری شریف کا امتحان ان کے ذمہ ہوا کرتا تھا، امسال بھی انہوں نے تشریف لانا تھی لیکن قضاء کا فیصلہ غالب آ گیا اور وہ خدا کے حضور پیش ہو گئے ہیں، ان کے ساتھ بہت سی قدیم یادیں وابستہ ہیں، ان کی نماز جنازہ ان کے علاقائی قبرستان میں اداء کی گئی۔

ان کے بھائی، صاحبزادے اور خاندان کے بہت سے لوگ جامعہ نصرۃ العلوم کے فضلاء ہیں، ہم اس غمناک موقع پر ان کے غم میں برابر شریک ہیں اور دعا گو ہیں کہ اللہ کریم ان کی جملہ خدماتِ جلیلہ قبول فرماتے ہوئے ان کے درجات بلند فرمائے اور فردوسِ بریں میں جگہ عنایت فرمائے، آمین یارب العالمین۔

[۲] حضرت مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی بھی طویل علالت کے بعد کراچی میں انتقال فرما گئے ہیں۔

مرحوم ایک کہنہ مشق مدرس اور ہردلعزیز شخصیت تھے، دارالعلوم کراچی کے استاذ اور مفتی تھے، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ کے پوتے تھے، اللہ کریم ان کی جملہ مساعی جمیلہ کو شرف قبولیت بخشے اور ذخیرہ آخرت بنائے، ادارہ ان کی وفات پر ان کے خاندان، ادارہ، تلامذہ اور متعلقین سے تعزیت کرتے ہوئے ان کے درجات کی بلندی کے لئے خدا کی بارگاہ میں دعا گو ہے۔

☆ قارئین کرام تمام وفات پانے والے خواتین وحضرات کیلئے اللہ رب العزت کے حضور دعا فرمائیں کہ وہ ان کی غلطیوں کو درگزر فرما کر جنت الفردوس میں جگہ نصیب فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے، آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ
•••• حیات وخدمات ••••

[مولانا محمد فیاض خان سواتی]

کتاب کا موضوع اپنے جلی عنوان سے ہی ظاہر وباہر ہے، ہمارے برادرِ مکرم ومخدوم، ملک کے مایہ ناز مصنف ومؤرخ حضرت مولانا سید محمد اکبر شاہ بخاری حفظہ اللہ تعالیٰ کی یہ ایک اچھوتی کاوش ہے، جس میں انہوں نے تحریکِ پاکستان کے مایہ ناز اور قابلِ فخر قائد وراہنماء شیخ الاسلام حضرت مولانا علامہ شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہ کے بارہ میں ان کی ذاتی اور تحریکی خدمات ومعلومات کے وسیع وعریض اور طویل وعمیق بحرِ زخار کو ایک کوزہ میں بند کر دیا ہے، اس سے قبل اس موضوع پر لکھی گئی لمبی چوڑی کتب کا اسے جامع ومانع خلاصہ کہنا انسب ہوگا، ۳۶۷ صفحات پر مشتمل ومحتوی اس کتاب کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔

حصہ اول میں شیخ الاسلامؒ کی ولادت وتعلیم کے عنوان کے ذیل میں سینکڑوں عنوانات کے تحت تمام گوشوں پر باحوالہ، مستند اور سیر حاصل مواد جمع کیا ہے۔ اور حصہ دوم میں مشاہیر علم ودانش کے مقالات ومشاہدات وتاثرات کے عنوان کے ذیل میں بیسیوں حضرات کی نگارشات ورشحاتِ قلم کو اس گلدستہ میں سمویا ہے، عمدہ کمپوزنگ، بہترین کاغذ وطباعت اور رنگین لیمینیشن جلد بندی کے ساتھ اسے مکتبہ رحمانیہ نے شائع کیا ہے، قیمت تو کتاب پر درج نہیں، البتہ اہلِ ذوق ونظر کے لئے یہ ایک خاصے کی چیز ہے، جس کے حصول کے لئے اقراء سنٹر غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور سے مندرجہ ذیل نمبرز پر رابطہ کیا جا سکتا ہے۔ 042-37224228/37355743